ہمدرد

نونہال

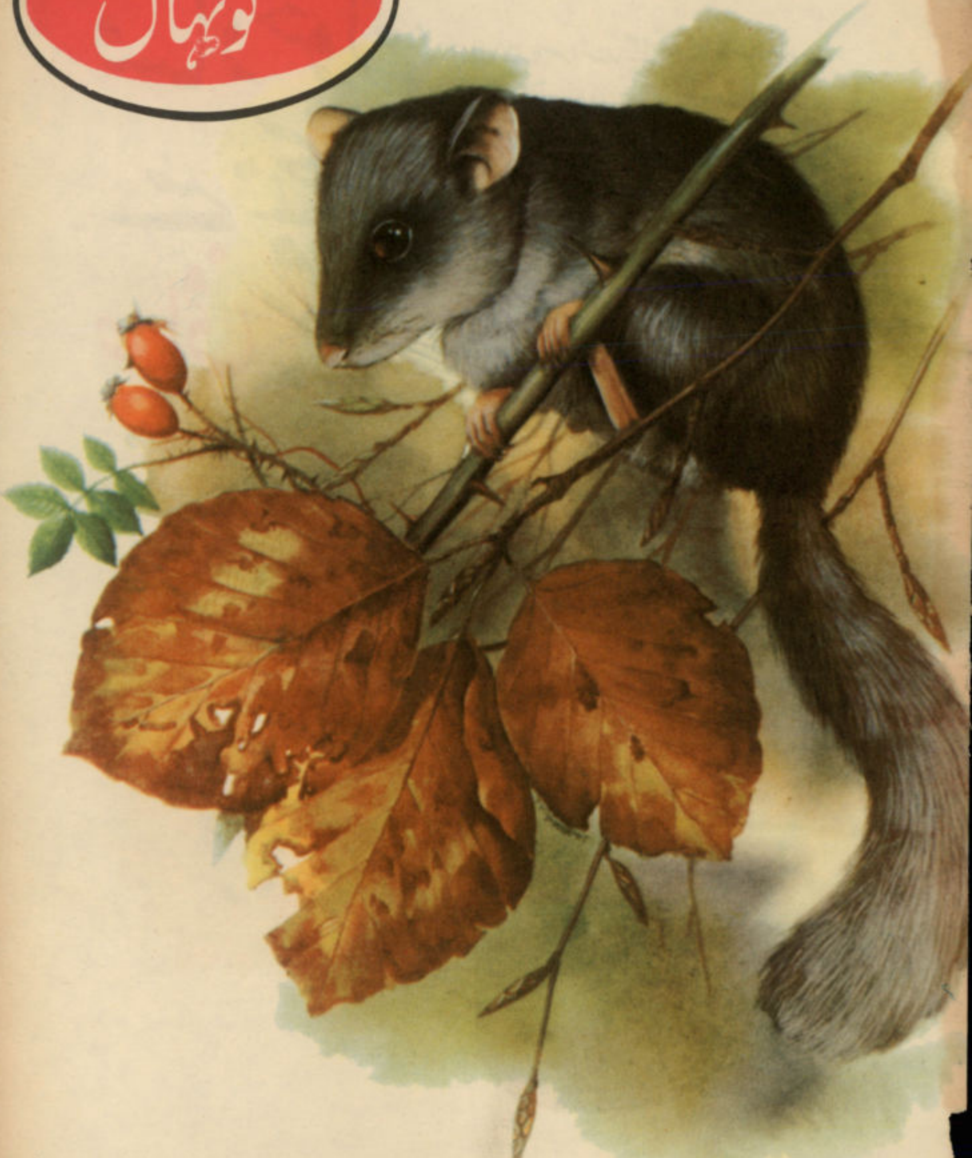

فساد خون سے بچنے کے لئے صافی بہتر ہے

خون میں سرائت کئے ہوئے فاسد مادے پھوڑے، پھنسیوں اور کئی دوسری جِلدی بیماریوں کو جنم دیتے ہیں۔ ان سے بچنے کے لئے صافی باقاعدگی کے ساتھ استعمال کیجئے۔ خون کی صفائی اور جِلدی بیماریوں سے محفوظ رہنے کا مفید ذریعہ ہے۔

ہمدرد

ٹیلے فون ۶۱۶۰۰۱ (۵ لائنیں)

ہمدرد نونہال

مجلس ادارت

حکیم محمد سعید دہلوی — صدرِ مجلس

مسعود احمد برکاتی — مدیر

حکیم محمد یٰسین دہلوی — مدیر

جمادی الثانی ـــــ ۱۳۹۷ھ

جُون ـــــ ۱۹۷۷ء

جِلد ۲۵ ـــــ شمارہ ۶

عام شمارہ: ۱ رُپیہ ۵۰ پیسے

سالانہ: ۱۸ رُپے

ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ ۔ ناظم آباد، کراچی ۱۸

ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن (پاکستان) نے نونہالوں کی تعلیم و تربیت اور صحت و مسرت کے لیے شائع کیا

اِس شُمارے میں کیا ہے؟

صفحہ	عنوان	مصنف	صفحہ
۳	جاگو جگاؤ	جناب حکیم محمد سعید	
	ہمارا سرورق۔ فیلٹی ڈار ماؤس	ادارہ	۴
۵	ہمیں بھی اللہ طاقت دے (نظم)	جناب محشر بدایونی	
	پروفیسر کی انوکھی دریافت	جناب علی اسد	۷
۱۴	اپنے بّرِ اعظم کے متعلق آپ کیا جانتے ہیں؟	اِدارہ	
	جل پری کا بیٹیا	جناب ابرار مُحسن	۱۷
۲۷	بِلی کا خان دان	جناب حُسین حَسنی	
	ہمدرد انسائیکلو پیڈیا	جناب ارق و جناب زیدی	۳۱
۳۶	خیال کے پھُول	ننھے گل چیں	
	صحت کے دشمن	جناب علی ناصر زیدی	۳۷
۴۲	دل چسپ اور حیرت انگیز	ادارہ	
	بولتے جُوتے	جناب معراج	۴۳
۴۹	حضرت خواجہ حسن بصریؒ	جناب رشید الدین احمد	
	دیس کی قسمت (نظم)	جناب عبدالغنی شمس	۵۱
۵۲	کھیل (نظم)	جناب سلیم کوثر	
	اخبارِ نونہال	ننھے صحافی	۵۵
۵۷	مُکتے باز اور دَغاباز	ادارہ	
	رنگ برنگی پھلجھڑیاں	ننھے گل چیں	۶۳
۶۵	سَدا بہار قصّے	جناب احمد خان خلیل	
	صحت مند نونہال	ادارہ	۶۷
۷۲	معلوماتِ عامہ سلسلہ نمبر ۱۳۴	جناب عصمت علی پٹیل	
	اس شمارے کے مشکل الفاظ	ادارہ	۷۴
۷۹	نونہال ادیب	ننھے لکھنے والے	
	حلقۂ دوستی	ادارہ	۱۰۵

جاگو جگاؤ

ہر آدمی چاہتا ہے کہ اُس کی بات سُنی جائے۔ جس طرح تمھاری خواہش ہوتی ہے کہ تم جو کچھ کہنا چاہتے ہو وہ پوری طرح کہہ سکو اور دوسرے اس کو اچھی طرح سُنیں۔ اِسی طرح دوسرے بھی یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی اُن کو پوری بات کہنے دو۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ دوسرے کی بات کاٹ کر اپنی کہنی شروع کر دیتے ہیں۔ یہ عادت اچھی نہیں۔ اس میں تمھارا بھی نقصان ہے، کیوں کہ جب تم کسی کی بات نہیں سُنو گے تو وہ بھی تمھارے کہنے پر کان نہیں دھرے گا۔

سکون اور صبر کے ساتھ گفت گو کرنا بہت بڑی خُوبی ہے۔ اس طرح ہر فریق کی تسلّی اور خیالات کی اصلاح ہوتی ہے۔ خیالات کا اظہار ایک فن ہے۔ اِس فن کا تقاضا یہ بھی ہے کہ دوسروں کے خیالات بھی توجہ اور دل چسپی سے سُنے جائیں۔ صرف اِسی طرح گفت گو کا اصل مقصد پورا ہوتا ہے اور آپس میں اِتحاد و اتفاق بڑھتا ہے۔ کسی کو ہم خیال بنانے کے لیے پہلے اُس کے خیالات معلوم کرو۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ اس کے خیالات غلط ہیں تب بھی اُس کو کہہ لینے دو پھر اپنے خیالات پیش کرو۔

تمھارا دوست اور ہمدرد

حکیم محمد سعید

فِیٹی ڈار ماؤس

گلہری کی قسم کا ایک جانور

اِس جانور کی موٹی یا خوردنی قسم کو انگلستان کے ٹرنگ پارک ہرٹس (TRING PARK-HERTS) میں پہلی بار ۱۹۰۲ء میں جنوبی یورپ سے لایا گیا تھا اور اسی وقت سے یہ چلٹرن (CHILTERN) کے دیہی علاقے میں پھیل گئی ہے۔ یہ اپنی قسم کا سب سے بڑا جانور ہے، یعنی دو سو ملی میٹر یا آٹھ انچ لمبا۔ حالاں کہ سبزیوں پر گزارہ کرتا ہے اور صاف ستھرا رہتا ہے، پھر بھی یہ اہلِ خانہ کے لیے ایک عذاب بن گیا ہے۔ چھتوں کی خالی جگہوں میں جھتے کے جھتے اپنا گھر بنا لیتے ہیں۔ خاص طور سے جہاں پر سیب رکھے جاتے ہیں ان جگہوں پر یہ خوب آباد ہو جاتے ہیں اور رات بھر چھت کے نچلے حصے میں غرّاتے اور شوں شوں کرتے ہوئے اودھم مچاتے رہتے ہیں۔ خوش قسمتی سے جاڑوں میں یعنی ستمبر یا اکتوبر سے اپریل تک یہ بے حس و حرکت پڑے رہتے ہیں۔ سال میں ایک یا دو بار ان کے بچے ہوتے ہیں اور بہ یک وقت نو نو بچے ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض، اپنے یورپی رشتے داروں کی طرح جنگلوں میں رہتے ہیں جہاں یہ شاخوں میں اپنے گھونسلے بنا لیتے ہیں۔ لیکن جاڑے میں جب یہ بے حس و حرکت پڑے رہتے ہیں تو اس کے لیے یہ گڑھے تلاش کر لیتے ہیں۔ ان کے پیروں میں جو نرم نرم گدّے ہوتے ہیں ان کی وجہ سے یہ بڑی آسانی سے درختوں پر چڑھ جاتے ہیں۔

روم کے لوگ انھیں بڑی لذیذ غذا سمجھتے تھے۔ وہ انھیں شاہ بلوط کے پھل کھلا کر موٹا کرتے تھے اور باقاعدہ انھیں احاطوں میں رکھتے تھے جنھیں وہ گلیریریا (GLIRARIA) کہتے تھے۔ شہد اور خشخاش ملا کر انھیں پکایا جاتا تھا اور بہت لذیذ تصوّر کیا جاتا تھا۔

(سرورق کی تصویر، بہ شکریہ میسرز ایسو (ESSO))

ہمیں بھی اللہ طاقت دے

محشر بدایونی

ہمیں بھی اللہ طاقت دے
ہمیں بھی اتنی ہمت دے

طوفانوں میں انسانوں کی جان بچائیں ہم
اُجڑے اور ویران گھروں کو چمن بنائیں ہم

ہمیں بھی اللہ طاقت دے
ہمیں بھی اتنی ہمت دے

عِلم کی شمع ہاتھ میں لے کر قدم بڑھاتے جائیں
قدم قدم پر مٹّی کو گلزار بناتے جائیں

ہمیں بھی اللہ طاقت دے
ہمیں بھی اتنی ہمت دے

اپنے بڑوں کا ہاتھ بٹائیں، کریں لگن سے کام
ہم کو دے اللہ ہماری محنت کا اِنعام

ہمیں بھی اللہ طاقت دے
ہمیں بھی اتنی ہمت دے

پھیلے گاؤں گاؤں اُجالا، شہروں شہروں نُور
محنت ہم دن رات کریں اور محنت بھی بھرپُور

ہمیں بھی اللہ طاقت دے
ہمیں بھی اللہ ہمت دے

بچّوں کے لیے ایک خوب صُورت تحفہ

جاگو جگاؤ

حکیم محمد سعید کا مشہور و مقبول کالم
کتابی شکل میں

شائع ہوگیا

بچّوں کے سب سے مقبول اور پسندیدہ رسالہ ہمدرد نونہال میں حکیم محمد سعید ہر مہینے اپنا کالم جاگو جگاؤ لکھتے ہیں۔ اس کالم میں وہ اپنے مخصوص انداز میں بڑے کام کی باتیں لکھتے ہیں، وہ باتیں جو زندہ رہنے، ترقی کرنے اور کام یاب ہونے کا سلیقہ سکھاتی ہیں۔

جاگو جگاؤ کی زبان سادہ اور دل نشیں ہوتی ہے اور اس کو بچّے بڑے سب بہت شوق اور دل چسپی سے پڑھتے ہیں۔ دس سال کے کالموں میں سے انتخاب کرکے مسعود احمد برکاتی نے ان بکھرے ہوئے موتیوں کو ایک لڑی میں پرو دیا ہے اور ۲۴ جواہر پاروں کو یکجا کرکے ایک دل کش کتاب مرتب کر دی ہے۔ پوری کتاب دو رنگ میں بہت عمدہ سفید کاغذ پر طبع کی گئی ہے۔ سر ورق رنگین اور بچّوں کی تصویروں سے آراستہ ہے۔

جاگو جگاؤ ایک ایسا حسین اور قیمتی مجموعہ ہے جو آپ اپنے دوستوں کو بھی تحفے میں دے سکتے ہیں۔

قیمت: دو رُپے

پاکستان میں ہر اچھے بُک اسٹال سے مل سکتی ہے

ہمدرد اکیڈمی، ہمدرد سنٹر، کراچی ۱۸

پروفیسر کی انوکھی دریافت

علی اسد

میرا غاروں کے باہر جانے لگی تو دوسری جل پری نے کہا، "ساحل کے اتنے قریب نہ جاؤ۔" میرا نے چڑاتے ہوئے کہا، "تم ڈرپوک ہو، میں تمھاری طرح ڈرپوک نہیں۔ آج تو میں اس دُور والی بڑی سی چٹان تک جاؤں گی۔" یہ کہہ کر وہ اپنے ساتھیوں کو بددل چھوڑ کر پیرتی ہوئی نکل گئی۔

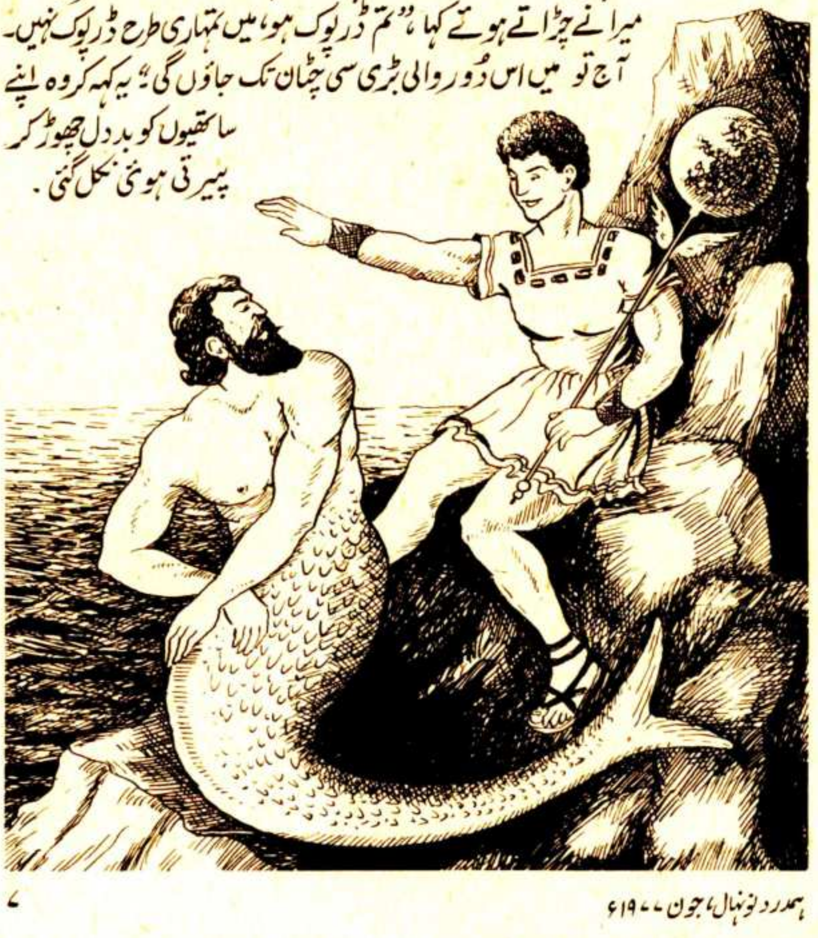

"اِس کے پیچھے مت جاؤ،" سب سے بوڑھی جل پری نے کہا، "وہ ضد میں اور بھی دُور چلی جائے گی۔ اگر ہم خاموش رہیں تو شاید وہ واپس آجائے۔"

لیکن میرا واپس نہ آئی۔ وہ آگے ہی بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ وہ ساحل کے قریب پہنچ گئی۔ پھر وہ اس چٹان کے گرد گھومی جس پر چڑھ کر وہ چاروں طرف کا منظر دیکھنا چاہتی تھی۔ اس محویت کے عالم میں اسے یہ پتا نہ چل سکا کہ وہ جال کے اندر چلی گئی ہے۔

اچانک جال اٹھا لیا گیا اور میرا نے اپنے آپ کو ہوا میں معلق پایا اور اس نے محسوس کیا کہ وہ پانی سے دُور اور ریت سے قریب ہوتی جارہی ہے۔

بوڑھے پروفیسر نے اپنے جال میں جس چیز کو پکڑا تھا اسے بڑی احتیاط سے ایک چھوٹے سے تالاب میں ڈال دیا۔ بے چاری میرا اس تالاب میں چاروں طرف پیرتی رہی مگر اس کے باہر نہ نکل سکی۔ وہ یہ جانتی تھی کہ اس خشک ریت پر بے بس ہو جائے گی۔

پروفیسر نے اپنی عینک دُرست کرتے ہوئے کہا، "واہ، واہ، کتنی نادر شے حاصل ہوگئی ہے۔ کاش یہ ذرا دیر کے لیے ساکت ہو جائے تو میں اسے اچھی طرح دیکھ سکوں!"

پروفیسر اور غور سے دیکھنے لگے، "ارے یہ تو کچھ جل پری کی قسم معلوم ہوتی ہے۔ جو عرصے سے عنقا ہو چکی ہے۔" وہ آپ ہی آپ بڑبڑاتے رہے، "کل کی مجلسِ مذاکرہ کے لیے مجھے اس پر ایک مقالہ لکھ لینا چاہیے۔ اگر میری یہ چیز اس سال کی بہترین دریافت ثابت ہوئی تو پروفیسر پارچمنٹ تو بالکل جل کر خاک ہو جائیں گے۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ گزشتہ دس برسوں میں بھی ایسی کوئی دریافت نہیں ہوئی!" وہ اپنی کم زور آنکھوں سے بے چاری گرفتار جل پری کو گھورے جارہے تھے۔

"مجھے اس نمونے کو فوراً اپنے مچھلی گھر میں پہنچا دینا چاہیے۔" وہ اپنے آپ سے باتیں کرتے رہے، "کتنا اچھا ہوا جو میں اپنا سب سے بڑا ٹینک آج لیتا آیا۔"

کچھ دیر بعد میرا نے محسوس کیا کہ اسے جال کے ذریعے اُٹھایا جارہا ہے اور ایک ایسے بڑے سے ٹینک میں ڈالا جارہا ہے جو پروفیسر کی موٹر کار کی پچھلی سیٹ پر رکھا ہوا تھا۔ اب میرا سوچنے لگی کہ، کاش میں نے اپنے ساتھیوں کی صلاح مان لی ہوتی۔ اسی وقت موٹر کار ایک بھیانک آواز کے ساتھ چل پڑی۔ بے چاری جل پری میرا کو صرف موٹر کار کی

چھت نظر آرہی تھی۔ اسے یہ مطلق معلوم نہ تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ وہ بوڑھے پروفیسر سے خوف زدہ نہ تھی۔ پروفیسر اُسے بہت بڑے سے تو معلوم ہو رہے تھے، لیکن ان کی آواز سے رحم دلی ظاہر ہوتی تھی۔ اور وہ اس کے ساتھ بڑی نرمی سے پیش آرہے تھے۔ اسے دراصل اپنے محبوب سمندر کے چھوٹ جانے کی وجہ سے ڈر لگ رہا تھا۔ اس سے پہلے وہ کبھی اس طرح بند نہیں ہوئی تھی۔ ذرا ہی دیر بعد موٹر کار رُک گئی اور پروفیسر کے مضبوط ہاتھوں نے ٹینک کو اٹھا لیا اور اسے ایک بڑے سے کمرے میں لے جا کر رکھ دیا یہاں وہ بڑا مچھلی گھر تھا جو قریب قریب سارے کمرے کو گھیرے ہوئے تھا۔

پروفیسر نے نوکروں کو چلے جانے کا حکم دیا اور دروازے کو اندر سے بند کر لیا۔ پھر وہ اپنے نادر شکار کو ٹینک سے مچھلی گھر میں منتقل کرنے لگے۔ میرا کو جال نے بڑی نرمی سے پکڑ لیا اور اسی نرمی سے پھر پانی میں اُتار دیا۔ یہ جگہ یقیناً بہتر تھی اور اُس میں جگہ بھی زیادہ تھی اور میرا اس کے شیشے کی دیواروں سے دیکھ بھی سکتی، لیکن جو کچھ اُس نے دیکھا اس سے وہ خوف زدہ ہو گئی۔ وہ جان گئی کہ وہ اب اُس طرح کے ایک مکان میں ہے جنھیں وہ سمندر میں پیرتے ہوتے اکثر دیکھ چکی تھی۔

مچھلیوں سے بات کر کے میرا کو یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ جو آدمی ان مکانوں میں رہتا ہے وہ مچھلیوں کو کھانے کے لیے پکڑتا ہے، لیکن اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ پروفیسر اسے کھانے کا ارادہ نہیں رکھتے ہیں بلکہ اُنھیں اس کے زندہ رکھنے کی فکر لاحق ہے۔

"خدا کرے پانی کا درجۂ حرارت ٹھیک ہو۔" پروفیسر کہہ رہے تھے، "کتنا اچھا ہوا جو میں نے مچھلی گھر کو کل ہی خوب اچھی طرح صاف کروا لیا اور اس میں جو نمونے تھے انھیں کالج بھجوا دیا۔"

پروفیسر ٹینک کے چاروں طرف چکّر لگاتے ہوئے اپنی عینک صاف کرنے لگے اور اگلے دن جو تقریر کرنے والے تھے اس کی ریہرسل کرنے لگے۔

"حضرات!

میں چند لمحوں میں اپنی گزشتہ چند برسوں کی سب سے زیادہ حیرت انگیز

دریافت آپ کے سامنے پیش کروں گا، بلکہ مجھے یہ کہنا چاہیے کہ زمانۂ حال کی سب سے زیادہ نادر دریافت یہی ہے۔ یہ اُس مخلوق کا نمونہ ہے جس کے بارے میں یہ سمجھا جاتا رہا ہے کہ عرصے سے ناپید ہو چکی ہے۔ حضرات! یہ جیتی جاگتی چیز ہے جو اپنے قدرتی ماحول میں ہے۔"

یہاں تک بولنے کے بعد وہ ذرا رُک گئے، کیوں کہ انھیں جل پری کی غذا کا خیال آگیا۔ یوں تو ٹینک میں بحری گھاس کافی مقدار میں موجود تھی اور گھونگے بھی تھے لیکن پروفیسر یہ نہیں جانتے تھے کہ جل پریاں کیا کھاتی ہیں؟ یہ بات کوئی نہیں جانتا تھا۔ پروفیسر نے سوچا کہ اِس بارے میں معلومات حاصل کرنا پڑے گی۔ انھوں نے بسکٹ کا ایک بکس اٹھا لیا اور

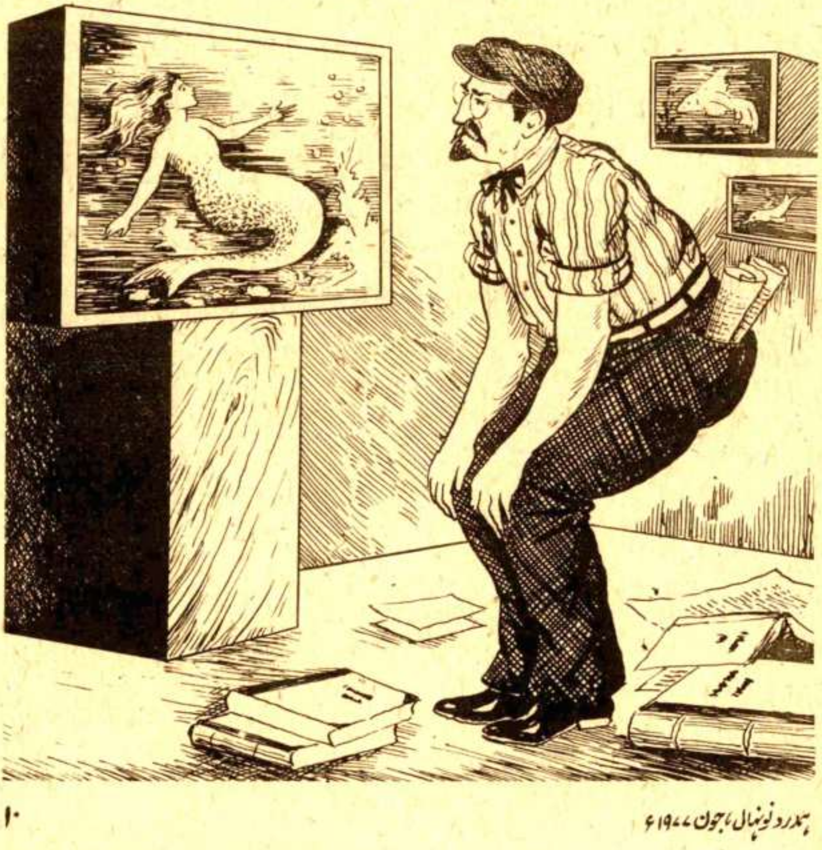

توڑ توڑ کر پانی میں ڈالنے لگے۔ لیکن میرا جس بڑے سے پتھر پر بیٹھ گئی تھی اسی پر بیٹھی رہی اور ٹس سے مس نہ ہوئی۔ پروفیسر سوچنے لگے، "شاید وہ خوف زدہ ہے، میں یہاں سے ہٹا جاتا ہوں تاکہ یہ بے چاری اپنے اوسان درست کر سکے۔" یہ کہہ کر وہ کمرے کے باہر چلے گئے اور دروازے کو بند کر دیا۔ میرا نے جب اپنے آپ کو تنہا پایا تو وہ شیشے کی دیوار کے پاس آئی۔ ٹینک ایک کھلی ہوئی کھڑکی کے پاس رکھا ہوا تھا۔ وہ ادھر سے سمندر کو بھی دیکھ سکتی تھی۔ اور اُس کا شور بھی سُن سکتی تھی۔

"کاش میں باہر نکل پاتی۔" وہ روتے ہوئے بولی، "لیکن اگر میں اِس شیشے کی دیوار پر چڑھ کر اس ٹینک کے باہر بھی نکل آئی تب بھی میں اُس خشک ریت کو پار نہ کر سکوں گی۔"

شام کو ایک بحری بگلا آ گیا اور کھڑکی کے باہر قریب کے ایک درخت پر بیٹھ گیا۔ میرا اس کو دیکھ کر بڑی خوش ہوئی۔ وہ سوچنے لگی کہ چلو کوئی تو آیا جس سے بات کر سکتی ہوں۔

اس نے بڑی خوشامد سے بگلے کو آواز دی، "بگلے میاں، پیارے بگلے میاں! کیا تم میری مدد کرو گے؟ میں تنہا یہاں سے نہیں نکل سکتی، مہربانی کر کے میرے ماں باپ کو بتا دو کہ میں کہاں ہوں۔ ان سے کہو کہ مجھے آ کر لے جائیں۔ میں نے بڑی غلطی کی جو اُن کا کہنا نہ مانا۔ اب آئندہ میں کبھی ایسا نہ نہیں کروں گی۔"

یہ سُن کر بگلا اُڑ کر کھڑکی پر آ گیا اور بولا، "میں جا کر انھیں بتا دوں گا مگر ان کے لیے یہ جگہ بہت دور ہے۔" میرا رونے لگی۔ بگلے نے شفقت سے کہا، "اب رونا بند کرو، شاید سمندری دیوتا نیپچون ایسا طوفان لے آئے کہ سمندر تمھارے قید خانے تک آ جائے۔ نیپچون جو چاہے کر سکتا ہے۔"

میرا بولی، "تم بڑے رحم دل ہو بگلے میاں، اگر مجھے یہاں اور رہنا پڑا تو مر جاؤں گی۔"

چناں چہ بگلا سمندر پر اُڑتا ہوا چلا گیا اور ان چٹانوں تک پہنچ گیا جہاں جل پریاں رہتی تھیں بگلے کو اپنی طرف آتے دیکھ کر میرا کی تمام بہنیں اور سہیلیاں وہاں اکٹھی ہو گئیں اور اس کے والد پریشان ہو کر بگلے کی باتیں سننے لگے۔

"نیپچون سے اس قسم کی عنایت کے لیے تو مجھے اپنی ساری دولت خرچ کر ڈالنا پڑے گی۔" وہ بولے، "گزشتہ پندرہ برسوں سے اس طرح کا طوفان نہیں آیا کہ آدمی کے مکانوں تک سمندر

پہنچ جائے۔"

"جاؤ تم التجا تو کرو" میرا کی ماں نے کہا، "تم ہمیشہ بڑے وفادار رہے ہو۔ یقیناً بادشاہ نیپچون تمھاری پہلی درخواست مسترد نہ کریں گے۔"

"لیکن ذرا سوچو تو درخواست بھی کس قسم کی ہے۔" میرا کے باپ نے کہا، "اور پھر ایک ایسی نافرمان اولاد اس قسم کی درخواست کی کیسے مستحق ہو سکتی ہے۔"

"ارے وہ ابھی بچّی ہے، ناسمجھ ہے، میرا کی ماں بولیں "اب اسے سبق مل گیا ہے۔ آئندہ اب کبھی نافرمانی نہیں کرے گی۔"

"اچھا دیکھو کوشش کرتا ہوں" میرا کے باپ نے کہا اور اُسی وقت بادشاہ نیپچون سے ملنے چلا گیا۔

بادشاہ اس وقت بڑی کوفت میں مبتلا تھا۔ اس نے جو یہ عجیب و غریب درخواست سنی تو اسے قبول کر لینے میں اس کو کچھ تفریح محسوس ہوئی۔

طوفان۔ ہاں ایک ایسا طوفان جیسا کہ پہلے کبھی نہیں آیا۔ کم از کم طوفان اس جمود سے تو بہتر ہی ہوگا جس میں وہ اُس وقت مبتلا تھا اور اُس نے سوچا کہ آخر ایک وفادار رعیّت کی تکلیف بھی دُور ہو جائے گی۔"

"تمھاری درخواست قبول کر لی جائے گی۔" بادشاہ نیپچون نے کہا اور اُسی وقت ہوائیں اور لہریں اس کا حکم بجا لانے کے لیے چل پڑیں۔ بجلی کوندنے لگی اور بادل گرجنے لگے۔ اور ہوا اتنے زوروں سے چلنے لگی کہ سمندر کی لہریں آسمان سے باتیں کرنے لگیں۔ میرا نے اپنے قیدخانے میں طوفان کا شور سُن لیا اور سمجھ گئی کہ اُس کی درخواست قبول ہوگئی ہے۔ وہ موسلادھار بارش اور بلند موجوں کو خوش آمدید کہنے لگی۔ جو لوگ سمندر کے کنارے رہتے تھے وہ ڈر کر اپنے اپنے بستروں میں دبک گئے۔ پروفیسر اپنے مکان میں اکیلے تھے۔ جل پریوں کے متعلق جتنی بھی کتابیں دست یاب ہو سکیں وہ انھوں نے جمع کر لی تھیں اور اُن کے مطالعے میں اتنے غرق تھے کہ انھیں طوفان کا علم اس وقت ہوا جب دوسرے کمرے سے کچھ ٹوٹنے کی آواز آئی۔

وہ گھبرا کر بولے "اوہو، میرا نادر نمونہ! آخر یہ کیا ہوا؟

اب جو وہ دوڑتے ہوئے کمرے میں آئے تو سمندر کی ایک بڑی لہر کھڑکی میں سے اندر آگئی اور

اسی کے ساتھ میرا کے والد اور بہنیں بھی اندر آگئیں۔ انھوں نے میرا کو بازو سے پکڑ لیا اور اپنے ساتھ لیے سمندر میں چلی گئیں۔ بے چارے پروفیسر صرف لہروں اور جل پریوں کی ایک ہلکی سی جھلک دیکھ سکے اور اس کے بعد بے ہوش ہو گئے، کیوں کہ پانی کے تھپیڑوں نے انھیں گرا دیا تھا۔ جب انھیں ہوش آیا تو وہ پلنگ پر پڑے ہوئے تھے اور دو طبیب ان پر جھکے ہوئے تھے۔

ایک طبیب بولا، "ارے اِن کو ہوش آرہا ہے۔"

دوسرا طبیب بولا، "بخار میں نہ جانے کیا کیا بکتے جا رہے تھے۔ بے چارے!"

پہلا طبیب بولا، "میرا خیال ہے کہ جب طوفان آیا ہے تو یہ جل پریوں کے بارے میں پڑھ رہے تھے۔ تم نے دیکھا اِن کے کمرے میں جتنی کتابیں تھیں وہ سب اسی موضوع پر تھیں۔"

"کیا واقعی؟" دوسرا طبیب ہنستے ہوئے بولا، "اتنے سنجیدہ پروفیسر کے لیے یہ کیسی عجیب سی بات ہے؟"

اور واقعہ بھی یہی تھا۔ جب پروفیسر صاحب صحت یاب ہو گئے تو انھوں نے اپنے دل میں طے کر لیا تھا کہ اپنی انوکھی دریافت کے بارے میں کسی سے کچھ نہ کہیں گے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب بھی انھوں نے کچھ کہنے کی کوشش کی تو کسی کو یقین نہ آیا۔ لوگ صرف حیران ہو کر ان کا منھ تکتے رہتے تھے، لہٰذا انھوں نے کہنا ہی چھوڑ دیا۔ لوگ عرصہ دراز تک اس طوفان کا تذکرہ کرتے رہے جس کی وجہ سے سمندر پروفیسر کے مکان تک آگیا تھا۔ پروفیسر وہ واحد شخص تھے جنھیں اس طوفان کا سبب معلوم تھا، مگر وہ کہہ نہیں سکتے تھے، کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ اگر وہ کسی سے کچھ کہیں گے تو لوگ یہی سمجھیں گے کہ لو حادثے کی وجہ سے ان کا دماغ خراب ہو گیا ہے، لیکن کئی برسوں کے بعد بھی وہ اس دن اور رات کے عجیب و غریب واقعات کے بارے میں سوچتے رہتے تھے اور یہ خیال کر کے مطمئن ہو جاتے تھے کہ دنیا بھر میں اکیلے وہی آدمی ہیں جس نے ایک جیتی جاگتی جل پری دیکھی۔

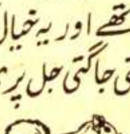

اپنے برِّاعظم کے متعلق آپ کیا جانتے ہیں؟

آبادی کے لحاظ سے ہمارا براعظم ایشیا دُنیا میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ ہم دوسرے ملکوں کے متعلق تو بہت سی معلومات حاصل کرتے ہیں، لیکن اپنے براعظم سے بے خبر رہتے ہیں۔ ذیل میں چند سوالات اور آخر میں ان کے جوابات دیے گئے ہیں۔ ان سے آپ کو اپنی معلومات کا اندازہ ہو جائے گا۔

سوال نمبر۱ : مندرجہ ذیل ملکوں کے سکوں کے نام بتائیے :

(۱) تھائی لینڈ (۲) انڈونیشیا (۳) شمالی ویت نام (۴) فلپائن (۵) جنوبی ویت نام۔

سوال نمبر۲ : مندرجہ ذیل ملکوں کے صدر مقام بتائیے :

(۱) لاؤس (۲) بنگلہ دیش (۳) نیپال

(۴) بھوٹان (۵) جمہوریہ منگولیا

سوال نمبر۳ : مندرجہ ذیل میں سے کن ملکوں کی سرحدیں شمالی یا جنوبی ویت نام کے ساتھ ملتی ہیں؟

(۱) کمبوڈیا (۲) لاؤس

(۳) تھائی لینڈ (۴) برما (۵) چین

سوال نمبر۴ : مندرجہ ذیل ملکوں میں اکثریت کس مذہب کی ماننے والی ہے ؟

(۱) برما (۲) ہندستان

(۳) انڈونیشیا (۴) فلپائن (۵) بنگلہ دیش

سوال نمبر۵ : ذیل میں پانچ مشہور سیاست دانوں کے نام درج کیے جاتے ہیں۔ ان کا تعلق کن ملکوں سے ہے ؟

(۱) سُہارتو (۲) نی وِن

(۳) ٹاکیو مکی (۴) سوانا پھوما

(۵) لی کوان لی

سوال نمبر۶ : مندرجہ ذیل کن ملکوں میں واقع ہیں ؟

(۱) انگکر واٹ۔ (۲) کیونگ جو۔

(۳) یامی یان۔ (۴) تن ہوانگ۔

(۵) تاج محل۔

سوال نمبر۷ : ان ملکوں کے نام بتائیے جہاں مندرجہ ذیل بین الاقوامی ہوائی اڈے ہیں ؟

(۱) تن سن ہٹ (۲) وٹائی

(۳) کائی ٹک (۴) پینانگ

(۵) ڈم ڈم

سوال نمبر۸: مندرجہ ذیل ملکوں کی خاص برآمدات کیا ہیں؟

(۱) ملیشیا (۲) ہانگ کانگ

(۳) انڈونیشیا (۴) جنوبی کوریا

(۵) پاکستان

جوابات

سوال نمبر۱: (۱) تھائی لینڈ کا سکہ "باہٹ" کہلاتا ہے۔

(۲) انڈونیشیا میں "رپیہ" چلتا ہے، لیکن ہمارا رُپیہ نہیں۔

(۳) شمالی ویت نام کا سکہ "ڈونگ" کہلاتا ہے۔

(۴) فلپائن کا سکہ "پیسو" ہے۔

(۵) جنوبی ویت نام میں سکہ "پیاسٹر" چلتا ہے۔

سوال نمبر۲: (۱) ویان تیان (۲) ڈھاکا

(۳) کھٹمنڈو (۴) تھمبو

(۵) اُلان بٹور

سوال نمبر۳: (۱) کمبوڈیا (۲) لاؤس اور (۳) چین کی سرحدیں شمالی یا جنوبی ویت نام سے ملتی ہیں۔

سوال نمبر۴: (۱) بدھ مت (۲) ہندومت (۳) اسلام (۴) عیسائیت (۵) اسلام

سوال نمبر۵: (۱) انڈونیشیا (۲) برما (۳) جاپان

(۴) لاؤس (۵) سنگاپور

سوال نمبر۶: (۱) کمبوڈیا (۲) جنوبی کوریا (۳) افغانستان (۴) چین (۵) بھارت

سوال نمبر۷: (۱) جنوبی ویت نام (۲) لاؤس (۳) ہانگ کانگ

(۴) ملیشیا (۵) بھارت

سوال نمبر۸: (۱) ربر (۲) سوتی کپڑا (۳) تیل

(۴) سوتی کپڑا (۵) کپاس

ملیشیائی کہانی

جل پری کا بیٹا

ابرار محسن

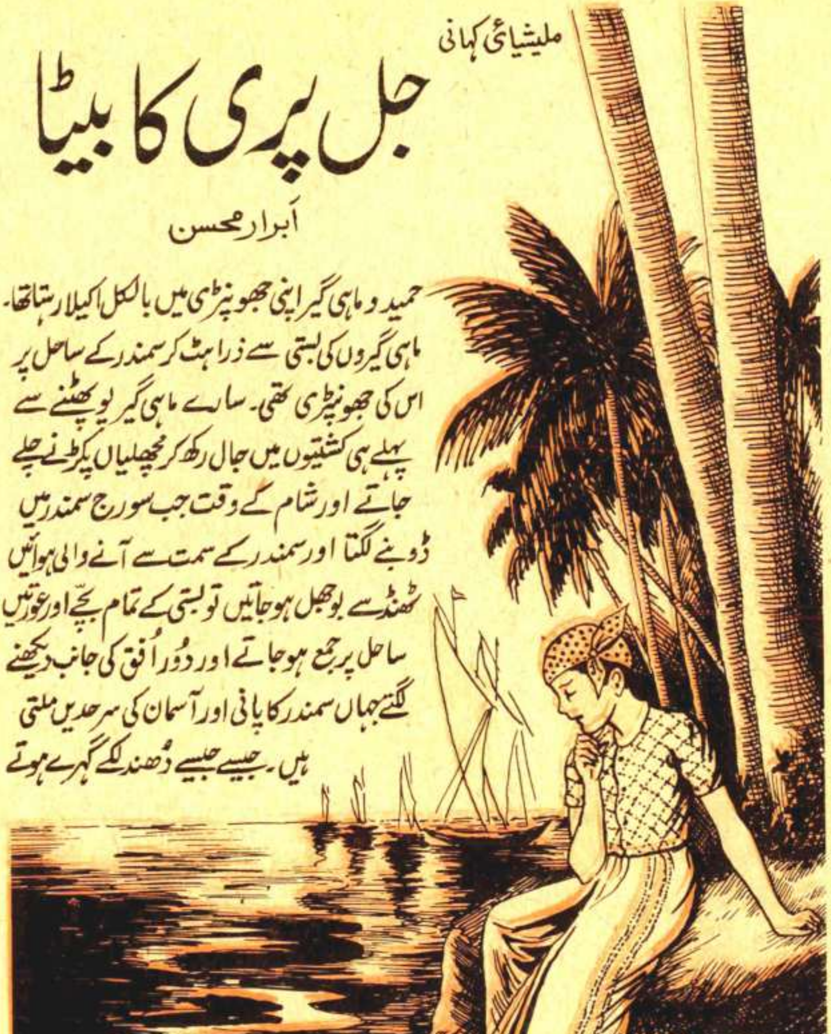

حمیدو ماہی گیر اپنی جھونپڑی میں بالکل اکیلا رہتا تھا۔ ماہی گیروں کی بستی سے ذرا ہٹ کر سمندر کے ساحل پر اس کی جھونپڑی تھی۔ سارے ماہی گیر پو پھٹنے سے پہلے ہی کشتیوں میں جال رکھ کر مچھلیاں پکڑنے چلے جاتے اور شام کے وقت جب سورج سمندر میں ڈوبنے لگتا اور سمندر کے سمت سے آنے والی ہوائیں ٹھنڈ سے بوجھل ہو جاتیں تو بستی کے تمام بچّے اور عورتیں ساحل پر جمع ہو جاتے اور دُور اُفق کی جانب دیکھنے لگتے جہاں سمندر کا پانی اور آسمان کی سرحدیں ملتی ہیں۔ جیسے جیسے دُھندلکے گہرے ہوتے

جاتے دُور سمندر کے سینے پر سیاہ دھبے سے نظر آنے لگتے، ہوا کے جھونکوں میں ماہی گیروں کے گیتوں کی آوازیں سنائی دینے لگتیں۔ دھبے اور نزدیک آنے لگتے اور موجوں کے شور کے ساتھ گیت کی آواز بھی تیز ہوتی جاتی۔ کشتیاں ساحل سے آ کر لگتیں۔ عورتیں گھٹنوں گھٹنوں پانی میں اُتر کر کشتیوں کو ساحل کی ریت میں گڑی ہوئی لکڑیوں سے رسّیوں کے ذریعے باندھ دیتیں، پھر مچھلیوں سے بھرے جال کشتیوں میں سے نکالتیں۔ بچے تالیاں بجا کر شور مچاتے۔ دن بھر کی اونگھتی ہوئی خاموش بستیوں میں عجیب سی چہل پہل ہو جاتی۔ ہر جھونپڑی سے چولھوں سے نکلتی ہوئی دھوئیں کی لکیریں لہراتی ہوئی ہواؤں میں بکھر جاتیں۔ تاروں کے نکلتے نکلتے سب لوگ ناریل کے درختوں کے کنج میں چٹائیوں پر بیٹھ کر چلم کے کش لگاتے اور سارے دن کے واقعات دُہراتے۔ آسمان میں ستاروں کا کارواں چلتا رہتا، موجیں ساحل سے ٹکراتی رہتیں۔ ناریل کے درختوں کی پتّیوں میں سے گزرنے والے ہوا کے جھونکوں کی سَر سَراہٹ اور تیز ہو جاتی اور پھر سب لوگ نیند سے بوجھل پلکیں جھپکاتے ہوئے دن بھر کی تھکن سے چُور ہو کر اپنی جھونپڑیوں میں جا کر سو جاتے۔

اکثر چاندنی راتوں میں لڑکیاں ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر ساحل کی ریت پر آدھی آدھی رات تک ناچتی رہتیں۔ آخر اُن میں سے کوئی لڑکی ٹھہر کر کہتی "بس اب ختم کرو، آدھی رات ہونے والی ہے۔ اب جل پریوں کے آنے کا وقت ہو گیا ہے۔ اگر انھوں نے ہمیں اس وقت یہاں پالیا تو کھینچ کر سمندر میں لے جائیں گی ــــ" اور لڑکیاں ناچ ختم کر کے اپنے اپنے گھروں کو لوٹ آتیں۔

اس پوری بستی میں حمید وہی سب سے مختلف تھا۔ وہ سب سے الگ تھلگ رہتا تھا۔ صبح کے وقت وہ اکیلا ہی کشتی میں مچھلیاں پکڑنے جاتا تھا اور شام کے وقت سب کے بعد واپس آتا تھا۔ اس کی سمندر کی طرح نیلی آنکھیں ہر وقت کسی گہری سوچ میں ڈوبی رہتیں۔ نہ کسی سے ملنا نہ جُلنا۔ بس خاموشی سے زندگی کے دن گزارتا تھا۔ وہ اکثر مچھلیاں پکڑنے بھی نہیں جاتا تھا، بلکہ سمندر کے ساحل پر اُبھری ہوئی بڑی سی چٹان پر چُپ چاپ بیٹھا سمندر کی نیلی موجوں کو دیکھتا رہتا۔ سمندری پرندے چہکارتے ہوئے آتے اور اچانک پانی پر جھپٹ کر ننھی مُنّی مچھلیاں چونچ میں دبا کر اُڑ جاتے۔ ناریل کے درخت ہوا میں جُھوم جھوم کر گیت گاتے۔ ساحل کی ریت کے ذرے بھی جگنوؤں کی طرح چمکتے رہتے اور حمید وسارا سارا دن وہیں بیٹھا رہتا۔ اکثر برسات کی اندھیری راتوں میں وہ چٹان پر جا بیٹھتا۔ ان راتوں میں جب سمندر سے خوں خوار کالی گھٹائیں اٹھ اٹھ کر تیزی سے

برستیں۔ ہواؤں کے جھکّڑ ناریل کے درختوں کی جڑوں تک کو جھنجھوڑ دیتے اور بپھرا ہوا سمندر چٹان سے بار بار ٹکراتا مگر حمیدو اپنے خیالوں میں کھویا رہتا۔

حمیدو لمبے قد والا خوب صورت جوان تھا۔ بستی والے اسے بہت پسند کرتے تھے، کیوں کہ وہ بہت شریف انسان تھا۔ اس نے کبھی کسی کا دل نہیں دُکھایا تھا۔ سب لوگوں کی یہ خواہش تھی کہ حمیدو جلدی سے بیاہ کر ڈالے۔ بستی میں پچاسوں لڑکیاں تھیں۔ خود بستی کا مکھیا جس کے پاس دس کشتیاں تھیں، یہ چاہتا تھا کہ حمیدو اس کی لڑکی سے ہی بیاہ کرے، مگر حمیدو ہر مرتبہ بیاہ کی بات ٹال جاتا۔

"آخر تُو بیاہ کیوں نہیں کرلیتا؟" مکھیا اس سے پوچھتا۔

وہ ہمیشہ یہی جواب دیتا، "ابھی جلدی کیا ہے۔ وقت آنے پر بیاہ کرلوں گا۔"

بستی کی لڑکیاں اُسے دیکھ کر چڑاتیں، "جانتی ہو حمیدو بیاہ کیوں نہیں کرتا؟ اُسے تو کسی جل پری کی تلاش ہے۔ یہ ہم میں سے کسی کے ساتھ بھلا کیوں بیاہ کرنے لگا؟"

حمیدو ہمیشہ ٹھنڈی سانس بھر کر چلا جاتا، جیسے اس نے کچھ سُنا ہی نہ ہو۔

جھونپڑی میں جب وہ تنہا ہوتا تو وہ اپنے آپ سے باتیں کرنے لگتا:

"جل پری! کہاں ہے وہ؟ برسوں سے میں اسے سمندر کے سناٹوں میں تلاش کر رہا ہوں مگر آج تک کوئی جل پری نہیں دکھائی دی — کیا جل پریاں واقعی نہیں ہوتیں؟ — کیا بچپن میں سُنی ہوئی جل پریوں کی ساری کہانیاں جھوٹی ہیں؟ کہاں ڈھونڈوں اُنھیں؟ نہ وہ پُر سکون سمندر میں ملیں اور نہ پُرشور طوفانوں میں۔ اب میں مایوس ہو چکا ہوں۔ سُنا کرتا تھا کہ جل پریاں دھوپ میں سمندر کی چٹانوں پر نہانے کے لیے آ بیٹھتی ہیں اور اُن کے لمبے لمبے بال ہوا میں لہراتے ہیں۔ چاندنی راتوں میں وہ ساحل پر ناچنے آتی ہیں — کیا یہ ساری باتیں غلط ہیں؟ کیا میرا بیاہ کبھی کسی جل پری کے ساتھ نہیں ہو سکے گا؟ کیا میرا خواب سدا خواب ہی رہے گا؟

اور اس کے کانوں میں پھر وہی آواز گونجنے لگتی۔

"اسے تو کسی جل پری کی تلاش ہے، یہ بھلا ہم میں سے کسی کے ساتھ بیاہ کیوں کرنے لگا؟"

ایک دن مکھیا نے حمیدو سے کہا، "اس طرح کب تک اکیلے زندگی گزارے گا؟ کرلے بیاہ۔ تجھے کبھی کوئی جل پری نہیں مل سکے گی۔ پاگل مت بن۔ اپنا گھر بسا اور ہنسی خوشی وقت گزار۔ میری

بات مان لے۔"

مکھیا نے بہت کہہ سن کر اس کا بیاہ اپنی بیٹی کے ساتھ کر دیا۔ دونوں جھونپڑی میں رہنے لگے، مگر پھر بھی حمید کے اندر کوئی تبدیلی نہ آئی۔ وہ اب بھی پہلے کی طرح چٹان پر گھنٹوں بیٹھا رہتا۔ چُپ چاپ۔ خاموش۔

اس کے دو لڑکے پیدا ہوئے جن کے نام حسن اور ماٹ تھے۔ دونوں لڑکے خوب صورت تھے۔ حمید ان سے بے حد محبت کرتا تھا، مگر عجیب بات یہ کہ حمید کو اپنی بیوی سے ذرا بھی محبت نہ تھی، کبھی وہ اُس سے بات نہ کرتا۔ بیوی بڑی دُکھی رہتی۔ حمید صبح سویرے کشتی لے کر چلا جاتا اور وہ سارا دن اکیلی پڑی رہتی۔ بہت دل گھبراتا تو بستی میں باپ کے گھر آ کر وقت گزارتی۔ شام کو جب حمید واپس آتا تو

کھانا کھا کر پھر چٹان پر جا بیٹھتا۔ بیٹھا ہی رہتا، آدھی آدھی رات تک۔

"اس طرح کیسے زندگی گزرے گی؟" اس کی بیوی اپنے باپ سے رو کر کہتی۔

باپ اسے تسلّی دیتا، "مت گھبرا بیٹی، دھیرے دھیرے خود ہی ٹھیک ہو جائے گا۔ تیرے سکھ کے دن ضرور آئیں گے۔"

دن گزرتے گئے۔ سمندر پر دن کے اُجالے اور رات کے اندھیرے پھیلتے رہے۔ ناریل کے چھوٹے چھوٹے درخت آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ دونوں لڑکے سیانے ہو گئے اور اب وہ دن بھر ساحل پر کھیلتے پھرتے۔ حمید اب بھی اُداس اداس رہا کرتا تھا۔ آج تک اسے وہ چیز نہیں مل سکی تھی جسے برسوں سے وہ سمندر میں تلاش کر رہا تھا۔

ایک مرتبہ جب کہ برسات کی رات تھی، گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا، موسلا دھار بارش ہو رہی اور سمندر میں طوفان آیا ہوا تھا۔ موجیں ساحل پر دور تک حملہ کر رہی تھیں، ایسے وقت میں کوئی اسی چٹان پر کھڑا تھا۔ چٹان کے چاروں طرف پانی زور زور سے ٹکرا رہا تھا۔ وہ حمید کی بیوی تھی جو بڑبڑا رہی تھی،

"میں حمید کو خوش نہیں رکھ سکتی ـــــ وہ مجھ سے بات نہیں کرتا ـــــ میری دنیا بھی اس رات کی طرح اندھیری ہے جس میں سکھ کا کوئی چراغ نہیں جلتا۔ پھر میرے جینے سے کیا فائدہ؟ میں جانتی ہوں حمید کو میری ضرورت نہیں ہے۔"

چند لمحوں بعد چٹان خالی تھی اور موجیں بگڑے ہوئے ہاتھی کی طرح چٹان سے ٹکریں مار رہی تھیں۔ ایک لمحہ بعد بادل خوف ناک آواز میں گرجا۔ جھونپڑی میں سوئے ہوئے دونوں بچے گھبرا کر جاگ اٹھے اور چلانے لگے، "ماں۔ ماں!"

حمید کی آنکھ بھی کھل گئی۔ وہ بولا، "کیا ہوا؟ کہاں گئی تمھاری ماں؟"

مگر جواب میں سمندر کی موجوں کا طوفانی شور ہی سنائی دیا۔ اس نے دونوں بچوں کو سینے سے چمٹا لیا اور انھیں سُلانے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کی بیوی ہمیشہ کے لیے سمندر کی موجوں میں کھو گئی تھی۔ حمید اب بھی اسی طرح مچھلیاں پکڑنے جاتا تھا۔ شام کے وقت دونوں بچے ساحل پر کھڑے اس کی راہ دیکھتے۔ کشتی کو دور ہی سے دیکھ کر اچھل اچھل کر تالیاں بجاتے اور پھر اس کے گلے سے لپٹ جاتے۔ رات کے وقت بچے اُس سے کہتے، "ہمیں کہانی سناؤ۔"

"کون سی کہانی؟" وہ پوچھتا۔

”جل پریوں کی،“ دونوں بچے ایک ساتھ کہتے۔

اور وہ بچپن میں سُنی ہوئی کہانیاں سنانے لگتا۔ دیر تک ۔ پھر نیند سمندر کی لہروں سے پھسلتی ہوئی بچوں کی آنکھوں میں داخل ہوجاتی۔ حمید ان کو سُلا کر پھر اُس چٹان پر آبیٹھتا۔

ایک شام جب حمید کشتی لے کر واپس آیا تو اس کے ساتھ عورت بھی تھی۔ اس نے بچوں سے کہا،

”یہ تمھاری نئی ماں ہے۔“

ساری بستی میں یہ خبر پھیل گئی کہ حمید نئی بیوی لایا ہے۔ اس کے بعد ایک عجیب بات ہوئی۔ حمید نے راتوں رات اپنی جھونپڑی سے ذرا ہٹ کر پتّھروں کا ایک چھوٹا سا مکان بنالیا۔ اس کی نئی بیوی جس کا نام اس نے ڈیونگ رکھا تھا بڑی ہی خوب صورت تھی۔ اس کے موتی جیسے سفید دانت تھے اور آنکھیں بڑی ہی انوکھی تھیں۔ گہری نیلی، جیسے گہرے سمندر کا رنگ ہوتا ہے۔ بستی کی عورتیں آپس میں باتیں کرتیں، ”تم نے دیکھا! ڈیونگ کی آنکھیں کتنی عجیب ہیں، گہرے پانی کی طرح۔ اور نہ جانے کیوں ان آنکھوں کو دیکھ کر ڈر لگتا

ہے! آخر حمید اسے کہاں سے لایا ہے ؟"

مگر حمید نے کبھی کسی کو یہ بھید نہ بتایا۔ لوگ پوچھتے اور وہ صرف مسکرا کر ٹال جاتا۔ ڈیونگ کے آنے سے حمید ہر وقت خوشی سے جھومتا رہتا، کبھی دُکھی نہ ہوتا اور نہ کبھی اُس چٹان پر جاکر بیٹھتا پہلے وہ خاموش رہا کرتا تھا اور اب ہمیشہ ہنستا نظر آتا۔ کچھ دن بعد ڈیونگ کی طرح لڑکا پیدا ہوا جو ماں کی طرح ہی خوب صورت تھا اور اس کی آنکھیں بھی گہری نیلی تھیں۔ حمید نے اس کا نام حلیم رکھا۔ حمید اور ڈیونگ دونوں ہی حلیم کو بہت چاہتے تھے۔ وقت گزرتا گیا۔ حسن، ماٹ اور حلیم خوب بڑے ہوگئے۔ حسن اور ماٹ باپ کے ساتھ مچھلیاں پکڑنے جانے لگے مگر ڈیونگ حلیم کو کبھی سمندر کے نزدیک جانے نہ دیتی تھی۔ وہ حمید سے بار بار کہا کرتی،

"حلیم کو سمندر سے دُور ہی رکھنا خبردار۔"

حسن اور ماٹ کو بڑا تعجب ہوتا کہ آخر حلیم کو سمندر سے دُور کیوں رکھا جاتا ہے۔ انھیں ایک اور بات بھی بڑی عجیب لگتی تھی۔ ہر مہینے ڈیونگ چھت کے مکان میں جاتی تھی اور تین دن بعد واپس آتی تھی۔ ڈیونگ کے علاوہ اور کوئی اس مکان میں نہیں جاسکتا۔ نہ جانے وہ کہاں جایا کرتی تھی؟ حلیم کا دل سمندر کو دیکھ دیکھ کر مچلتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ بھی اس کی نیلی موجوں سے کھیلے اور بڑے بھائیوں کی طرح باپ کے ساتھ مچھلیاں پکڑنے جائے۔ دور ہی سے وہ سمندر کو حسرت بھری نظروں سے دیکھا کرتا تھا۔ کبھی کبھار تو اُسے ایسا محسوس ہوتا جیسے سمندر دھیرے دھیرے اس سے کہہ رہا ہو "کیوں دور رہتے ہو مجھ سے؟ میرے پاس آؤ، میری نیلی موجوں سے کھیلو۔ ذرا دیکھو تو میں تمھیں کتنی خوشی دیتا ہوں، میرے سینے سے لگ جاؤ۔"

راتوں کو جب سمندر پر چاندنی برستی اور ساحل پر ریت کے ذرّے ستاروں کی طرح جگ مگ کرتے تو وہ بے چین ہوجاتا اور ڈیونگ سے کہتا،

"ماں، ماں! مجھے جانے دو۔ سمندر مجھے پکار رہا ہے۔ ہر روز پکارتا ہے۔"

ڈیونگ گھبرا کر کہتی، "نہیں۔"

"نہیں نہیں۔ وہاں کبھی نہیں جانا، کبھی نہیں، ہرگز نہیں۔"

"مگر کیوں؟" وہ جھلّا کر پوچھتا۔

"کاش میں بتا سکتی۔" وہ جواب دیتی۔

ایک دفعہ حمید بیمار پڑ گیا۔ اُس نے حسن اور ماٹ سے کہا، "میں آج مچھلیاں پکڑنے نہیں جاؤں گا۔ تم دونوں بھائی چلے جاؤ۔"

جب حسن اور ماٹ کشتی لے کر جانے لگے تو حلیم بھی ساحل پر کھڑا تھا۔

"تُو بھی آج ہمارے ساتھ چل"، حسن نے کہا۔

"ماں ناراض ہوگی۔" حلیم نے جواب دیا۔

"ارے، یہ بُزدل کیا جائے گا؟" ماٹ نے اس کی ہنسی اُڑائی، "یہ تو لڑکی ہے لڑکی۔"

حلیم کو یہ سُن کر غصہ آگیا اور وہ کشتی میں بیٹھ گیا۔ کشتی لہروں پر ڈولنے لگی۔ ساحل دور ہوتا گیا اور پھر نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ حلیم خوشی سے پھُولا نہ سمارہا تھا۔ اوپر آسمان اور نیچے سمندر کا پانی۔ دور تک ــ ہر طرف ــ لہروں کے ساتھ اس کا دل بھی ناچ رہا تھا۔

"نہ جانے کیوں ماں مجھے سمندر سے دُور رکھتی تھی؟ وہ بار بار سوچ رہا تھا۔ سارا دن وہ کوشش کرتے رہے مگر جب بھی جال پانی سے باہر نکالتے، خالی ہی ہوتا۔ ایک مچھلی بھی نہ پھنسی۔ دوپہر کے بعد موسم بدل گیا۔ آسمان پر بادل چھاگئے۔ تیز ہوا کے چلنے سے بڑی بڑی موجیں اُٹھنے لگیں۔ بادلوں کی سیاہی گہری ہوتی جارہی تھی۔

"طوفان آنے والا ہے اور ہم ساحل سے بہت دُور ہیں"، حلیم نے کہا، "چلو واپس چلیں۔"

حسن اور ماٹ بولے،

"خالی ہاتھ واپس جانا اچھا نہیں لگتا۔ بس ایک بار اور کوشش کرلیں۔"

اور انھوں نے جال پانی میں ڈال دیا۔ جب انھوں نے جال کھینچا تو وہ چیخ اُٹھے۔

"دیکھو تو، کس قدر بھاری ہے، نہ جانے کتنی بڑی مچھلی ہے؟"

وہ جال کھینچنے لگے۔ ادھر موسلا دھار بارش شروع ہوگئی اور سمندر میں طوفان شروع ہوگیا۔ کشتی بُری طرح ہچکولے کھا رہی تھی۔ جب جال پانی سے باہر آیا تو سب کی آنکھیں پھیل گئیں، وہ مچھلی نہ تھی بلکہ جل پری تھی۔ اس کی سُنہری دُم پھڑک رہی تھی۔

"مجھے چھوڑ دو، جانے دو" جل پری چلّا رہی تھی۔

ماٹ نے کہا، "چلو، اس کی سُنہری دُم کاٹ کر اسے پھینک دیں گے۔"

حسن بولا، "ہاں، ہاں، بڑا مزا آئے گا۔"

"ایسا نہ کرو۔" جل پری رونے لگی۔ "بغیر دُم کے میں مرجاؤں
مرجاؤں گی۔ مجھے آزاد کردو۔ رحم کرو۔"
حلیم کو اس پر رحم آگیا۔
"تم اس کی دُم نہیں کاٹو گے۔" اُس نے ماٹ اور حسن نے کہا،
مگر وہ نہ مانے اور حلیم سے لڑنے لگے۔ اتفاق سے جال
ٹوٹ گیا اور جل پری آزاد ہوگئی۔ حلیم بھی پانی میں گر پڑا۔
حسن نے ماٹ سے کہا، "کشتی ٹھہراؤ ہم حلیم کو نکالیں گے۔"
طوفان بڑھ رہا ہے۔" ماٹ بولا، "ہم یہاں نہیں ٹھیر سکتے۔
حلیم کو ڈوب ہی جانے دو۔ ورنہ وہ گھر جاکر ہماری سکایت
کرے گا۔"

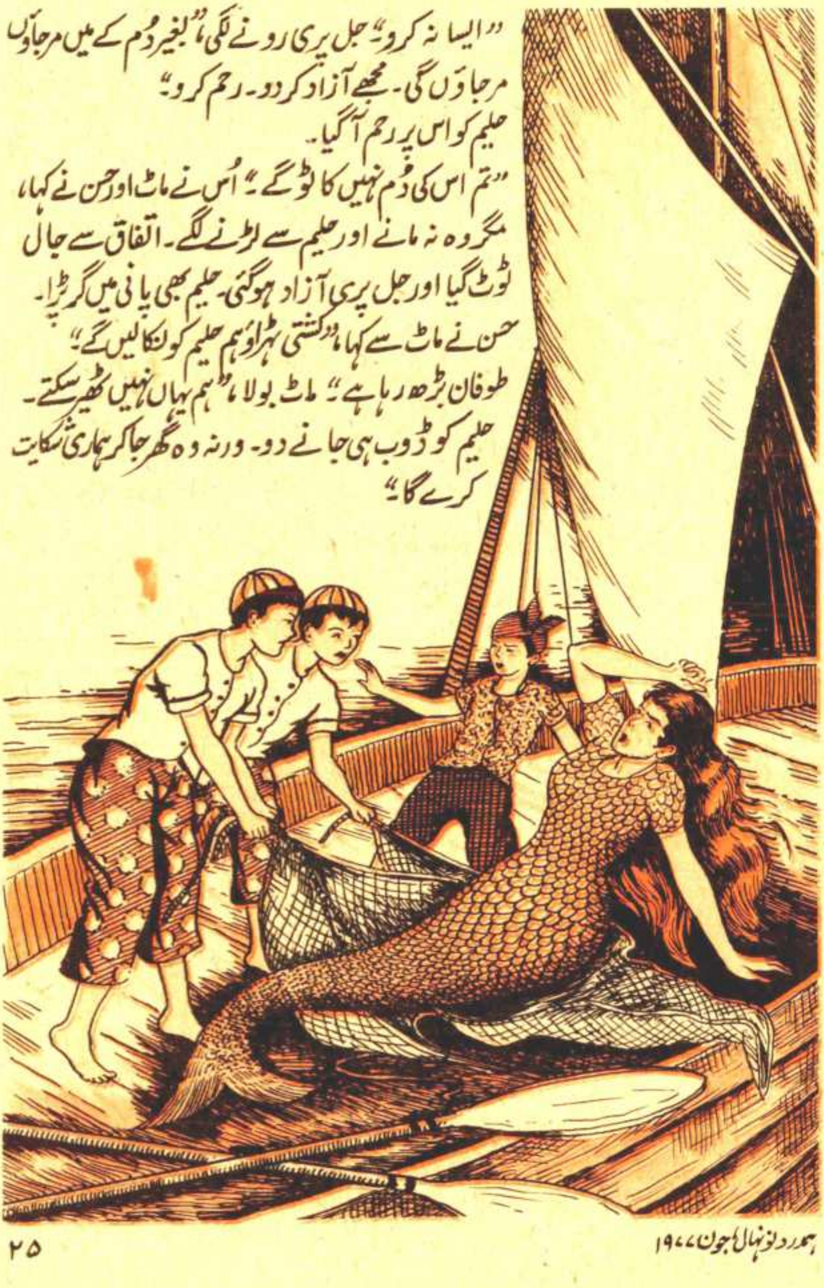

کشتی ساحل کی طرف بڑھنے لگی۔ حلیم پانی میں ڈوب رہا تھا۔ وہ پہاڑ جیسی موجوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اچانک جیسے کسی نے اسے سنبھال لیا ——— وہ جل پری تھی۔ وہ بولی،

"فکر نہ کرو۔ تم نے میرے ساتھ ہمدردی کی ہے، میں بھی تمھاری مدد کروں گی۔"

وہ اسے ایک جزیرے پر لے گئی۔ اس نے کہا،

"میری ماں نے مجھ سے کہا تھا کہ ایک دن میں ایک ایسے آدمی کی جان بچاؤں گی جس کی ماں جل پری ہے۔"

"مگر میری ماں تو جل پری نہیں ہے!" حلیم نے تعجب سے کہا، "جل پریوں کے تو دُم ہوتی ہے۔"

"وہ جل پری ہی ہے اور وہ اپنی دم پتھر کے مکان میں رکھتی ہے۔ ہر مہینے وہ دُم لگا کر اپنی سمندر کی دُنیا میں جاتی ہے۔ چلو، میں تمھیں اب تمھارے گھر پہنچا دوں۔ تمھارا باپ مر چکا ہے اور ماں تمھارا انتظار کر رہی ہے۔ تمھارے دونوں بھائی سمندر کی تہ میں پہنچ چکے ہیں۔"

جل پری حلیم کو ساحل پر لے آئی۔ ساحل پر آ کر اس نے اپنی دُم علاحدہ کر دی اور اسے پتھر کے مکان میں رکھ دیا۔ حلیم کا باپ مر چکا تھا۔ ماں حلیم اور جل پری کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ کچھ دنوں بعد حلیم کا بیاہ جل پری کے ساتھ ہو گیا۔ ماں حلیم کے لیے بھی ایک دُم لے آئی اور تینوں ہمیشہ کے لیے سمندر کی نیلی دنیا میں چلے گئے۔

ساحل پر بنی ہوئی جھونپڑی نہ جانے کب کی ختم ہو چکی ہے۔ صرف پتھر کا ٹوٹا پھوٹا مکان آج تک موجود ہے۔ آج بھی سمندر کا پانی دھیرے دھیرے ساحل سے ٹکراتا ہے۔ سُنا ہے چاندنی راتوں میں تینوں سمندر سے باہر نکل کر ساحل پر سیر کرتے ہیں۔

۸۰ سال کی عمر میں میٹرک

مشی گن (امریکا) کے ایک ۸۰ سالہ جوڑے نے جب تقسیم اسناد کے ایک جلسے میں اپنے میٹرک کے سرٹیفکٹ وصول کیے تو ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ تالیاں بجانے والوں میں ان کے سات بچے، ۲۴ پوتے اور ۴ پر پوتے بھی شامل تھے۔ اس جوڑے نے پہلے صرف آٹھویں جماعت تک تعلیم حاصل کی تھی۔ اس موقع پر ان کی تعریف کرتے ہوئے ان کے استاد نے بتایا کہ اس نے اپنے عمر رسیدہ شاگردوں کے تجربات سے بہت کچھ سیکھا۔ مرسلہ: عامر مجتبیٰ خان، کراچی

حُسین حَسنی

بلّی کا خاندان

ذرا اِدھر تو دیکھو! دُنیا کے خوب صورت ترین جانور ہمارے سامنے ہیں۔ ان کی آنکھوں پر مت جاؤ، نرم لیکن غصیلی، چُبھنے والی، تیز چمک دار، نیلی، سبز اور زرد رنگ کی۔ یہ عجیب وغریب آنکھیں شیر، چیتا، جیگوار اور پیوما (PUMA) کی ہیں۔ ان جانوروں کا تعلق بلّیوں کے خاندان سے ہے۔

شیر

شان دار، زرد سُنہرا اور بڑی بڑی سیاہ دھاریوں کا کوٹ پہننے والا شیر ایشیائی جنگلوں میں گھومتا پھرتا نظر آتا ہے۔ اپنے ۵۵۰ پونڈ (تقریباً ۷ من) وزن کے باوجود یہ بڑے وقار اور سنجیدگی کے ساتھ آہستہ آہستہ چلتا ہے۔ یہ چلتے وقت اپنے پنجے زمین پر نہایت آسانی اور پتھروں پر بڑی احتیاط کے ساتھ رکھتا ہے تاکہ کسی بھی پیچھا کرنے والے کو دھوکا دے سکے۔ شیر بڑا شکّی جانور ہوتا ہے۔ اتنا شکّی اور چالاک کہ نڈر اور ہوشیار ترین شکاری بھی غفلت میں اچانک اس کا شکار نہیں کرسکتا۔ شیر اپنے شکار کی تلاش غروبِ آفتاب کے بعد شروع کرتا ہے۔ اس کی تیز اور چمک دار آنکھیں تمام جنگل کا جائزہ لیتی ہیں۔ کوئی بھی چیز ان سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ وہ ہر وقت سانپ کی طرح رینگنے اور شکرے کی طرح جھپٹنے کے لیے تیار رہتا ہے۔ کوئی جانور اس کی زد سے بچ کر نہیں نکل سکتا بس جنگل کا صرف ایک ہی جانور ہے جو اس کے راستے میں بغیر خوف یا جھجک کے آسکتا ہے اور وہ ہے ہاتھی۔ ہاتھی کے علاوہ جنگل کا

کوئی بھی جانور خونخوار اور ظالم شیر کی گرفت سے بچ کر نہیں نکل سکتا۔

شیر بہترین تیراک بھی ہوتا ہے۔ اس کی خوراک میں دوسرے جانوروں کے علاوہ آبی جانور، مثلاً مچھلیاں وغیرہ بھی شامل ہوتی ہیں۔ شکار کھاتے وقت وہ بڑی چوکسی اور ہوشیاری کے ساتھ اپنے اگلے پاؤں پر جُھک کر کھڑا رہتا ہے۔ شیر کے کھانے کا انداز چیتے اور ببر شیر سے مختلف ہوتا ہے۔ چیتا اور ببر شیر اطمینان سے اپنے شکار پر جُھکے ہوئے اُسے کھاتے رہتے ہیں۔

ماں سے تربیت پائے ہوئے شیر کے بچے کسی رُکاوٹ کے بغیر بہت جلد اپنا شکار خود ہی تلاش کرنے لگتے ہیں۔ اور پھر جب وہ تنہا شکار کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں تو پھر جنگل کی دُنیا کو للکارتے پھرتے ہیں۔

ملایا میں ایک کہاوت ہے اگر تم چاہتے ہو کہ شیر تمھیں پکڑے، تو بس اس کا نام لے لو وہ فوراً تمھیں آ دبوچے گا، اسی لیے وہاں کے لوگ شیر کا نام نہیں لیتے بلکہ اسے "دوست" کہتے ہیں۔ اتفاقاً کہیں جنگل میں آپ کا سامنا اگر شیر سے ہو جائے تو بھولے سے بھی اُس کا نام مت لینا۔

بلّی کے قبیلے کا ایک دوسرا خوں خوار جانور پیوما (PUMA) ہے۔ یہ امریکا میں پایا جاتا ہے۔ پیوما بھی شیر ہی کی طرح ہوتا ہے اور بالکل اسی انداز میں حملہ کرتا ہے۔

ارے! اس کا نام سن کر آپ حیران کیوں ہو گئے؟ ہمیں یقین ہے کہ آپ پیوما یا گوگر

ریچھ نما بلّی، امریکی پہاڑی شیر، پیوما یا کوگر (COUGAR) کے بارے میں ضرور جانتے ہیں۔ یہ سب اسی جانور ہی کے مختلف نام ہیں۔ یہ ایک پھرتیلی اَن تھک اور انتہائی طاقت ور بلّی کی طرح ہوتا ہے۔

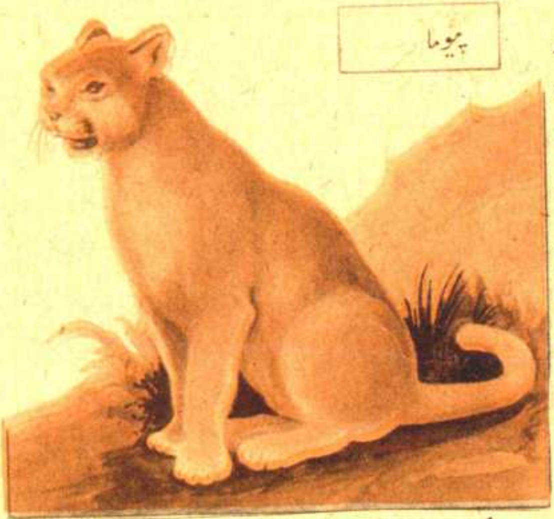

آپ کو یہ سُن کر بڑا تعجب اور افسوس ہوگا کہ جب آدمی یا کتّے اس کا پیچھا کرتے ہیں اور اس کو بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں ملتا تو یہ انتہائی بزدل بن جاتا ہے اور پکڑے جانے کے بعد انتہائی فرماں بردار ہو جاتا ہے۔ چڑیا گھر میں بچّے اس کے بہت قریب چلے جاتے ہیں۔ اب جب کبھی آپ چڑیا گھر جائیں اور پیوما کو دیکھیں تو اس سے ملاقات کرنا نہ بھولیں۔ یہ دل کے بُرے نہیں ہوتے مگر اس وقت تک جب تک آپ کے اور اُن کے درمیان لوہے کی موٹی موٹی سلاخیں حائل ہیں۔

ذرا ان دو جانوروں کی طرف تو دیکھنا، کون ہیں؟ اوہو، یہ تو جغور ہیں اپنی حسین بیگم صاحبہ کے ساتھ تشریف لا رہے ہیں۔

جغور دریائے ایمیزن کے جنگلوں کا شہنشاہ ہے اسے تیرنا بھی خوب آتا ہے۔ یہ جنگل میں دریاؤں کے کنارے جہاں بہ کثرت شکار ہوتا ہے، چھُپا ہوا رہتا ہے۔ یہ عام طور پر دریا پر جھُکی ہوئی درخت کی کسی ٹہنی پر مچھلی کی تاک میں بیٹھا ہوا نظر آتا ہے۔ اور گزرتی ہوئی مچھلی کو جھپٹ کر پکڑ لیتا ہے۔

جغور کوپی بیرا (COPYBARA) کا شکار بھی کرتا ہے۔ کوپی بیرا ایک قسم کی بڑی مچھلی ہوتی ہے۔ یہ جنوبی امریکا کے دریاؤں میں پائی جاتی ہے۔ اس کے دانت زیورات بنانے کے کام آتے ہیں۔ یہ زیورات دریا کے کنارے رہنے والے لوگ استعمال کرتے ہیں۔ جغور بڑے دلیر

(TAPIR) مور خور (چیونٹی کھانے والا جانور) اور مگرمچھ کا شکار بھی کرتا ہے۔ کبھی کبھی وہ گھریلو جانور بھی پکڑ لے جاتا ہے۔ بعض اوقات وہ بڑی بہادری دکھاتا ہے اور کسان کی آنکھوں کے سامنے سے ان کے جانوروں کے باڑے میں کود کر کوئی نہ کوئی جانور اٹھا کر لے جاتا ہے۔

جغور اپنے بچوں کو پالنے پوسنے میں اپنی مادہ کی مدد کرتا ہے۔ اس کی مادہ عام طور سے دو یا تین بچے دیتی ہے جنھیں وہ دو سال تک نہایت احتیاط سے پالتی ہے۔ اس کے بعد وہ آزاد ہو جاتے ہیں۔

بہت تھک گئے؟ اچھا چلو، ہم آج کی سیر تیندوے پر ختم کرتے ہیں۔ یہ گوشت خور درندہ افریقہ اور ایشیا کا باسی ہے۔ خوں خوار، باہمت اور مستقل مزاج تیندوا حرکت کیے بغیر درخت کی کسی شاخ پر گھنٹوں شکار کی تاک میں بیٹھا رہتا ہے اور پھر شکار کی بو سونگھتے ہی تیر کی طرح اس پر جھپٹتا ہے۔

اب ہمیں بلیوں کے خاندان کو یہیں چھوڑ کر آگے بڑھنا چاہیے۔ جنگل میں دوسرے جانور بھی تو رہتے ہیں جو بڑی خوف ناک آوازیں نکالتے ہیں۔ ذرا سنو تو یہ بگل کی طرح کا شور کیا ہے؟ اس میں تو بھاری قدموں کی آواز بھی شامل ہے جس سے زمین دہل رہی ہے۔ اچھا! تو پھر اب ان سبز اور سنہری آنکھ والی بلیوں کو خدا حافظ کہو۔

سفری باورچی خانہ

کان پور (بھارت) میں ایک ایسا سفری باورچی خانہ تیار کیا گیا ہے جسے کسی جگہ بھی لگا کر ایک سو پچاس آدمیوں کا کھانا پکایا جا سکتا ہے۔ باورچی خانے کا یہ خیمہ ایسے کپڑے سے تیار کیا گیا ہے جس پر پانی اور آگ کا اثر بھی نہیں ہو سکتا۔ اس میں راشن رکھنے کے لیے دو اسٹور رُوم بھی بنائے گئے ہیں اور یہ سفری باورچی خانہ ۶۰ کلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے چلنے والی ہوا کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

مرسلہ: عاقل بابو نوشاد بلوچ
آب سری، مکران

جاگو جگاؤ

ہمدرد اِنسائیکلوپیڈیا
نونہالانِ وطن کے لیے

پیارے بچو! جاگو جگاؤ۔ علم حاصل کرو اور علم کی شمع ہاتھ میں لے کر دوسروں تک علم کی روشنی پہنچاؤ۔ علم حاصل کرنا اور دوسروں تک علم کی روشنی پہنچانا بڑا مقدس فریضہ ہے۔

حکیم محمد سعید، ہمدرد

س : کون سے جانور زیادہ ذہین ہوتے ہیں ؟ دنیا کے سب سے ذہین جانوروں میں سے چند کے متعلق ہمیں کچھ بتائیے۔

ایک طالب علم

ج : بندروں کی جتنی بھی اقسام ہیں وہ سب کی سب ذہین ہوتی ہیں، مگر ان میں دو قسم کے بندر چمپینزی (CHIMPANZEE) اور (ORANGUTAN) حیرت انگیز طور پر ذہین ہوتے ہیں۔ اورنگوٹن انسانوں کا پہناوا سیکھ جاتا ہے۔ وہ پتلون پہننے کے بعد اس کے تسمے کا دونوں طرف کھنچاؤ محسوس کرکے اُسے صحیح طریقے سے لگا لیتا ہے تاکہ غیر متوازن طریقے سے لگانے کے بعد جو بے چینی ہوتی ہے وہ محسوس نہ ہو اورنگوٹن نہ صرف چابی سے تالا کھول سکتا ہے بلکہ ایک درجن چابیوں کے گچھے میں میں سے اس خاص تالے کی چابی کو پہچان لیتا ہے

دوسری قسم کا بندر چمپینزی جو ذہانت اور اپنے جذبات کے اظہار میں اورنگوٹن سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہے۔ یہ بندر اپنے جذبات کا اظہار تقریباً انسانوں کی طرح کرتا ہے۔ جب چمپینزی خوش ہوتا ہے تو وہ اپنے پورے دانت نکال کر مسکراتا ہے۔ اس وقت اس کی صورت ڈراؤنی معلوم نہیں ہوتی۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے کوئی انسان خوشی کے مارے ہنس رہا ہے۔ چمپینزی کو شوقین لوگ اور سرکس والے کئی طرح کے کرتب سکھاتے ہیں جنھیں وہ بڑی خوبی سے دُہراتا ہے۔ ایک چمپینزی میں اتنی ذہانت ہوتی ہے کہ وہ ایک وقت میں پچاس سے زیادہ سیکھے ہوئے کرتب ایک کے بعد ایک دُہرا سکتا ہے۔ یہ بندر چائے دانی سے چائے کپ میں انڈیلتا ہے۔ اس میں شکر ملا کر چکھتا ہے اور اُس کے بعد مناسب مقدار میں دودھ ملا کر پی لیتا ہے۔ اس کے بعد سگرٹ مُنھ میں لگا کر بالکل انسانوں کی طرح اسے جلاتا ہے پھر کش لے کر اپنے منھ کے ایک کونے سے اس طرح دھواں چھوڑتا ہے جیسے اک سگریٹ کا عادی انسان کیا کرتا ہے۔ جب وہ منھ میں تمباکو کا کڑوا پن محسوس کرتا ہے تو بالکل سگرٹ پینے والوں کی طرح ایک طرف تھوک دیتا ہے۔

اس قسم کے کرتب بار بار دُہرانے سے ان غریب جانوروں کے اعصاب پر بہت زیادہ دباؤ پڑتا رہتا ہے جو آخر کار ان کی موت کا باعث بن جاتا ہے۔

س: ہمیں نزلہ کیوں ہو جاتا ہے؟ خصوصاً چھینکیں کیوں آتی ہیں اور بعض لوگوں پر بہت جلد نزلے کا حملہ ہو جاتا ہے، ایسے لوگوں کو اپنی خوراک میں کون سی اشیا کا استعمال ترک اور کون سی اشیا کا استعمال زیادہ کرنا چاہیے؟

(صادقہ رانا، کورنگی)

ج: آپ کی مُراد زکام سے ہے۔ زکام ایک جرثومے سے لگتا ہے جو نہایت چھوٹا ہوتا ہے۔ بہت سے طبّی ماہرین اس بیماری پر تحقیقات کر رہے ہیں اور ایسی دوا ایجاد کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جو اس جرثومے کو فوری طور پر برباد کر کے ہمیں نزلہ زکام سے نجات دلا دے، لیکن ابھی تک پوری کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔ ایلوپیتھی میں ایسپرین اور اسی قسم کی چند دوسری دواؤں سے نزلے زکام کا علاج کیا جاتا ہے جب کہ یونانی طریق علاج جوشاندہ سعالین اور ایسی ہی دیسی دواؤں کے استعمال کی سفارش کرتا ہے۔ علاج خواہ کوئی بھی کیا جائے نزلہ دُور ہونے میں ایک ہفتہ لگ ہی جاتا ہے۔ جب بھی پسینے میں سردی لگ جائے یا کسی دوسرے شخص کو زکام ہو رہا ہے، اس کے جراثیم لگ جائیں یا گلا خراب ہو جائے تو نزلہ زکام ہو جاتا ہے۔

جب کوئی چیز یا یہ جراثیم ناک میں داخل ہو کر ناک کی جھلی کو تحریک دیتے ہیں تو ہم خود بہ خود انھیں رد کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ہمیں زور کی چھینک آتی ہے۔ جن لوگوں کی ناک میں کچھ خرابی ہوتی ہے یعنی ناک کی ہڈی ٹیڑھی ہوتی ہے یا سانس کے راستے میں بد گوشت پیدا ہو جاتا ہے تو انھیں اکثر نزلے کی شکایت رہتی ہے اور سانس لینا دشوار ہو جاتا ہے۔ بعض لوگوں کا گلا مستقل طور پر خراب رہتا ہے ایسے مریضوں کو ناک، گلے کے کسی ماہر ڈاکٹر سے مشورہ کرنا چاہیے۔ اگر گلے یا ناک میں مستقل نوعیت کی کوئی شکایت ہو تو وہ آپریشن کے ذریعے سے دور ہو سکتی ہے ورنہ طبّی علاج بھی فائدہ دے سکتا ہے۔ جن لوگوں کو اکثر نزلہ زکام کی شکایت رہتی ہی انھیں بازاری چاٹ، تُرش اشیا، تیل، خراب گھی اور ایسی تمام چیزوں سے پرہیز کرنا چاہیے جن سے گلا خراب ہو جاتا ہے۔ اور انھیں ایسی اشیا استعمال کرنی چاہییں جن میں وٹامن اے اور ڈی کی بہتات ہوتی ہے۔ مثلاً انڈے، مچھلی، مچھلی کا تیل وغیرہ۔ وٹامن سی بھی ان کے لیے بہت ضروری ہے جو تمام رس دار پھلوں، مالٹا، موسمی، گریپ فروٹ اور کاغذی لیموں میں افراط سے موجود ہوتا ہے۔

س : ریڈیو کیا ہے اور کس طرح کام کرتا ہے ؟

(شوکت علی بلوچ رشتی - تربت - مکران)

ج : ریڈیو کا اصل کام ریڈیائی لہروں کو موصول کرنا اور انھیں اُسی ساز و آواز میں تبدیل کر دینا ہے جو براڈ کاسٹنگ ہاؤس (ریڈیو اسٹیشن) سے نشر ہو رہی ہوتی ہیں۔ ریڈیو اسٹیشن پر جب کوئی پروگرام ہوتا ہے تو مائیکروفون ان آوازوں کو برقی ارتعاشات (لہروں) میں تبدیل کر دیتا ہے۔ یہ ارتعاشات ٹرانسمیٹر کے ذریعے نشر کیے جاتے ہیں۔ ریڈیائی لہریں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کی زبردست رفتار سے چاروں طرف پھیل جاتی ہیں۔ جب یہ ارتعاشات آپ کے ایریل کے ذریعہ سے ریڈیو میں داخل ہوتے ہیں تو قطعی برعکس عمل ہوتا ہے یعنی یہ ارتعاشات پھر ان آوازوں میں تبدیل کر دیے جاتے ہیں۔ ایک لاؤڈ اسپیکر آواز کو بڑھا دیتا ہے۔ اس طرح آپ ریڈیو کے ذریعہ سے اپنی پسند کے پروگرام آسانی سے سُن لیتے ہیں۔

س : ستارے اور سیارے میں کیا فرق ہے ؟ تفصیل سے بتائیے۔

(محمد صدّیق، کراچی)

ج : ستارہ اپنی جگہ قائم رہتا ہے۔ سیارے سے بہت بڑا ہوتا ہے۔ اس کی اپنی روشنی ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر سُورج ہمارے لیے قریب ترین ستارہ ہے۔ اس کا فاصلہ صرف نو کروڑ تیس لاکھ میل ہے۔ باقی ستارے بہت دور ہیں۔ اسی لیے ہمیں دِن میں نظر نہیں آ سکتے، لیکن رات کو جب ہمارا سُورج نہیں چمکتا تو بے شمار ستارے نظر آنے لگتے ہیں۔ وہ سب اپنی اپنی جگہ بہت بڑے بڑے سورج ہیں۔ بہت سے ستارے ہمارے سُورج سے بڑے ہیں، لیکن چوں کہ ہم سے بہت ہی زیادہ فاصلے پر ہیں اس لیے اتنے مدّھم نظر آتے ہیں۔

سیّارہ گھومنے والے جسم کو کہتے ہیں۔ وہ کسی ستارے یا مرکزی جسم کا تابع ہوتا ہے۔ سیّارہ خود نہیں چمکتا بلکہ اپنے مرکزی ستارے کی روشنی کو منعکس کر کے چمکتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً ہماری زمین سورج کا سیّارہ ہے۔ سورج اس کے لئے مرکزی حیثیت رکھتا ہے اس لیے وہ سورج کے چاروں طرف گردش کرتی رہتی ہے۔ زمین کے علاوہ آٹھ اور سیارے بھی اپنے اپنے مداروں یا راستوں پر سورج کے چاروں طرف گھومتے ہیں اور اس کی روشنی کو منعکس کرتے ہیں۔ چاند زمین کا سیّارہ ہے

وہ خود نہیں چمکتا بلکہ سورج کی روشنی کو منعکس کر کے اتنا روشن اور چمک دار معلوم ہوتا ہے۔

س : کیا آپ سورج گرہن ہونے کے اسباب بتا سکتے ہیں ؟ ہم نے سنا ہے کہ جب سورج گرہن ہو تو گھر سے زیادہ باہر نکلنا نقصان دہ ہوتا ہے۔

(آنسہ بشریٰ نور، کراچی)

ج : سورج گرہن ہونے کا ایک ہی سبب ہے جس کا تعلق زمین اور چاند کی گردش سے ہے۔ ہماری زمین سورج کے چاروں طرف گھومتی ہے اور چاند زمین کے چاروں طرف گردش کرتا ہے۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ چاند ہماری زمین اور سورج کے بیچ میں آجاتا ہے۔ چوں کہ چاند سورج کے مقابلے میں ہم سے بہت قریب ہے، اس لیے یہ چھوٹا سا کُرہ سورج کو ڈھانپ لیتا ہے۔ اگر زمین، چاند اور سورج ایک سیدھ میں آجائیں تو سورج کا پورا چہرہ ڈھک جاتا ہے اور ہم کہتے ہیں کہ پورا سورج گرہن ہو گیا اور اگر سورج کا صرف تھوڑا سا حصّہ ہماری آنکھوں سے اوجھل ہو جائے تو ہم اُسے جزوی گرہن کہتے ہیں۔ جب چاند گردش کرتا کرتا درمیان سے ہٹ جاتا ہے تو ہمیں دوبارہ پورا سورج نظر آنے لگتا ہے۔ گرہن کا کوئی منحوس اثر نہیں ہوتا۔ اس وقت باہر نکلنے پر کوئی پابندی نہیں۔ البتہ سورج پر نظر جمانے سے آنکھوں کو نقصان پہنچ سکتا ہے ایسا نہیں کرنا چاہیے۔

س : سبزیوں میں کون کون سے وٹامن پائے جاتے ہیں ؟ تفصیل سے بتائیے۔

(خان الدین، رضا ٹبری۔ سرحد)

ج : جانے پہچانے وٹامن اے، بی، سی اور ڈی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک ہماری روزمرّہ کی غذاؤں میں کسی نہ کسی طرح موجود ہوتے ہیں۔ اگر ہماری غذا مناسب اور متوازن ہو تو ہمیں الگ سے وٹامن کی گولیاں کھانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ وٹامن اے گاجروں میں پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ پتوں والی سبزیوں میں بھی یہ وٹامن قدرتی طور پر موجود ہوتا ہے۔ وٹامن بی مٹر کے دانوں اور دالوں میں پایا جاتا ہے۔ وٹامن سی کرم کلّہ میں ہوتا ہے۔ وٹامن ڈی سبزیوں میں نہیں ہوتا وہ انڈے، مچھلی کے تیل، ناریل کے تیل اور دودھ میں ہوتا ہے۔

خیال کے پھول

🌸 تمھارے اچھے حاکم وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے کریں۔ بُرے حاکم وہ ہیں جن سے تم نفرت کرو اور وہ تم سے نفرت کریں۔ (آں حضرتؐ)

مرسلہ: عاصم ہمایوں، نواب شاہ

🌸 چار چیزیں چار اوقات میں بہت مشکل اور تکلیف دہ ہوتی ہیں: (۱) ضعیفی، اکیلے پن میں۔ (۲) بیماری اور مفلسی سفر میں (۳) قرض مفلسی میں۔ (۴) لمبا راستہ پیدل چلنے میں۔

(حضرت مجدد الف ثانیؒ)

مرسلہ: عزیز الرحمان بلوچ، گور گیج، مکران

🌸 لوگوں کے دلوں میں خوشی کے کنول کھلانا بہتر ہے ہزاروں متبرک مقامات کی زیارت سے۔ (گوتم بدھ)

مرسلہ: عارف رحیم، کراچی

🌸 جہاں تک ممکن ہو اچھی کتابوں کا بغور مطالعہ کرو۔ ہر وقت کام میں مصروف رہو (ابراہم لنکن)

مرسلہ: منور حسن آفتاب، کراچی

🌸 مہذب قومیں انسانیت اور اخلاق کے لبادے کو تار تار کر کے حیوانیت میں تبدیل نہیں ہوا کرتیں۔

(قائد اعظمؒ) مرسلہ: سید ظفر یاب علی، کراچی

🌸 عقل مند سوچ کر بولتا ہے اور بے وقوف بول کر سوچتا ہے (حضرت حسن بصریؒ)

مرسلہ: سیف اللہ خالد غوری، کراچی

🌸 بادل کی طرح رہو جو پھولوں ہی پر نہیں کانٹوں پر بھی برستا ہے۔ (ہارون رشید)

مرسلہ: مرزا تصور الحسن، حیدر آباد

🌸 باپ کی مار اولاد کے لیے ایسی ہی مفید ہے جیسے کھیتی کے لیے پانی مفید ہوتا ہے۔ (حکیم لقمان)

مرسلہ: محمد الطاف الرحمان، نوشہرہ

🌸 تین چیزوں کا احترام کرو، والدین، استاد اور قانون۔ (ولیم شیکسپیئر)

مرسلہ: شاہین منظور علی، کراچی

🌸 کام یابی بے شمار خطرناک غلطیوں میں گھری ہوتی ہے۔ (برنارڈ شا)

مرسلہ: ناصر آفتاب، کراچی

🌸 انسان علم کا بہت زیادہ بوجھ اُٹھانے کے باجود خود کو پھول کی طرح ہلکا محسوس کرتا ہے۔ (ٹینی سن)۔ مرسلہ: ناصر علی قریشی، ٹنڈو الہ یار

🌸 اگر آپ چاہتے ہیں کہ بے خوف رہیں، تو کسی کو نہ ستائیں۔ (نوشیرواں)۔ مرسلہ: ہما حفیظ، کراچی

🌸 جب خدا کسی قوم کو ذلیل کرنا چاہتا ہے تو اس پر بحث و مباحثے کے دروازے کھول دیتا ہے اور علم و عمل کے دروازوں کو بند کر دیتا ہے۔ (امام اوزاعیؒ)

مرسلہ: حسن اقبال قریشی، سکھر

علی ناصر زیدی

صحت کے دشمن

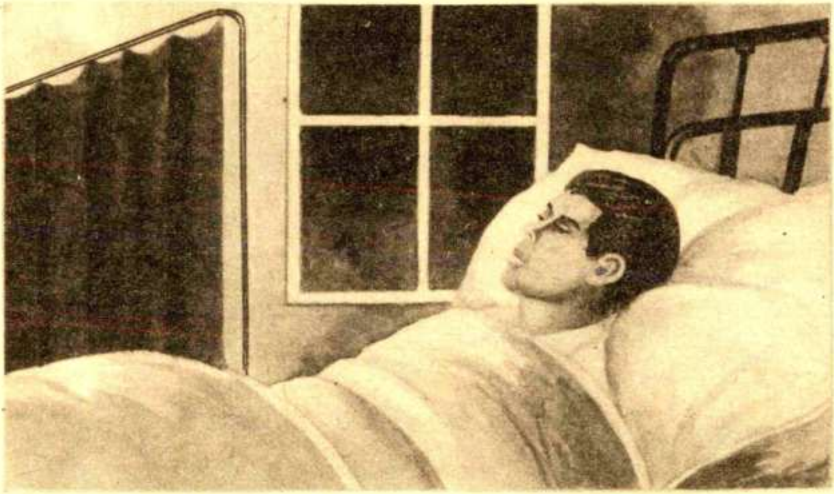

پرانے زمانے میں نہ سائنس تھی اور نہ سائنس داں۔ لوگوں کو معلوم ہی نہ تھا کہ بیماری کیوں آتی ہے۔ سب یہی سمجھتے تھے کہ بیماری انسان کے گناہوں کا نتیجہ ہوتی ہے۔ جس نے جتنے زیادہ گناہ کیے ہیں وہ اتنا ہی زیادہ بیمار رہتا ہے۔ اس زمانے میں بہت سے بچے چھوٹی عمر میں ہی مر جاتے تھے۔ اور انسان کی عمر کا اوسط بیس سال سے زیادہ نہ تھا۔ نہ کسی کو بیماری کی روک تھام کا ہوش تھا اور نہ علاج کا۔ چاروں طرف موت کی حکمرانی تھی۔

تمام پرانے شہروں میں صفائی کا انتظام ناقص تھا۔ گندگی کی وجہ سے بیماریوں کو بڑھنے پھیلنے کا موقع ملتا تھا۔ البتہ دیہات کے لوگ کچھ محفوظ رہتے تھے، کیوں کہ اول تو وہاں کی آبادی اتنی گنجان نہیں تھی جتنی شہروں میں رہتی ہے اور دوسرے دیہاتوں میں

رہنے والوں کو صاف ہوا اور کھانے کے لیے خالص غذا مل جاتی تھی۔ اب ہم جانتے ہیں کہ بعض بیماریاں سانس کے ذریعے بیماروں سے تن درست لوگوں کو لگ جاتی ہیں۔ لہٰذا گنجان آبادی والی بستیوں میں بیماریوں کو پھیلنے میں مدد ملتی ہے اور صحت مند لوگوں کی جان بھی خطرے میں رہتی ہے۔

مثال کے طور پر دق وسل کو لے لیجیے جسے انگریزی میں مختصر طور پر ٹی بی کہا جاتا ہے۔ پرانے زمانے میں اسے جسم کھا جانے والی بیماری کہا جاتا تھا۔ وہ عام طور سے "سفید پلیگ" کے نام سے مشہور تھی۔ ٹی بی کا مریض جب سانس چھوڑتا ہے تو اس کے پھیپھڑوں سے بہت سے خطرناک بیکٹیریا باہر آجاتے ہیں جو دوسروں کے لیے خطرناک ہوتے ہیں۔ بیکٹیریا جراثیم کو کہتے ہیں۔ ہم آگے ان کا ذکر ذرا تفصیل سے کریں گے۔

بیکٹیریا گرد، مٹی اور کیچڑ میں بھی موجود ہوتے ہیں۔ اگر جسم پر کوئی زخم یا شگاف ہو اور ہم احتیاط نہ کریں تو وہ جراثیم فوراً ہمارے جسم میں داخل ہو جاتے ہیں اور ہم بیمار پڑ جاتے ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ پرانے زمانے میں سرجن بھی اپریشن کے وقت کوئی خاص احتیاط نہیں کرتے تھے۔ وہ ان خطرناک جراثیم سے واقف ہی نہ تھے اور ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ آپریشن کے بعد مریض کا زخم کیوں خراب ہو جاتا ہے اور وہ کیوں مر جاتا ہے۔ سرجن اپنے ہاتھوں اور لباس کا بھی کوئی خاص خیال نہیں رکھتے تھے۔ خود ان کے ہاتھوں سے مریض کے جسم میں ایسے بیکٹیریا چلے جاتے تھے جو خون میں زہر پھیلا دیتے ہیں۔ مریض آپریشن کی تکلیف الگ اٹھاتا تھا اور سرجن کی اس بے احتیاطی کی وجہ سے جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا تھا۔

آپ کو یہ پڑھ کر حیرت ہوگی کہ صرف دو سو سال پہلے ڈاکٹروں کو معلوم نہیں تھا کہ ہم بیمار کیوں پڑ جاتے ہیں۔ کسی گھر میں کوئی بیمار پڑ جاتا تھا تو اس کا علاج کرنے کے بجائے بھوتوں اور روحوں کی پوجا شروع کر دی جاتی تھی، جانوروں کی قربانیاں دی جاتی تھیں، خیرات کی جاتی تھی اور ان روحوں کو خوش کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ لوگوں میں یہ خیال عام تھا کہ اگر چاند گرہن یا سورج گرہن ہو تو زمین پر ضرور کوئی آفت آتی ہے اور کوئی نہ کوئی وبا پھوٹ پڑتی ہے جس سے بے شمار جانیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ آسمان پر کوئی دُم دار ستارہ نظر آجاتا تھا تو سب کی عقل جواب دے جاتی تھی اور سب پریشان ہو جاتے تھے۔

انسان پر تکلیف کے بڑے سخت دور گزرے ہیں اور اس نادانی کی وجہ علم کی کمی تھی۔ مریض کا علاج کرنے کے بجائے بعض اوقات اسے جسمانی تکلیف دی جاتی تھی۔ پاگلوں کو بُری طرح مارا پیٹا جاتا تھا تاکہ بُری روحیں ان کا پیچھا چھوڑ دیں۔ کچھ ترقی ہوئی تو پھر فصد کا رواج شروع ہوا۔ یعنی مریض کا علاج کرنے کے لیے اس کی نس میں شگاف کر دیا جاتا تھا اور بہت سا خون نکال دیا جاتا تھا۔ یہ کام بالعموم نائی کیا کرتے تھے جو جرّاح کہلاتے تھے۔

مریض کے جسم سے خون نکالنے کا ایک اور طریقہ یہ تھا کہ اس کے جونکیں لگا دی جاتی تھیں۔ جونک کیچوے جیسا ایک کیڑا ہوتا ہے جو چپٹتے ہی خون چوسنا شروع کر دیتا ہے۔ عام خیال یہ تھا کہ جسم میں خراب خون جمع ہونے کی وجہ سے بھی انسان بیمار ہو جاتا ہے۔ اس لیے خون نکالنے کے لیے یہ عجیب طریقہ استعمال کیا جاتا تھا۔

بیکٹریا کیا ہوتے ہیں: اب ہم جانتے ہیں کہ بیماریاں بیکٹریا سے پیدا ہوتی ہیں۔ یہ جراثیم

لیون ہوک

لوئی پاسچر

اتنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ ہم معمولی خردبین سے انھیں دیکھ بھی نہیں سکتے۔ تقریباً تین سو سال گزرے ہالینڈ کے ایک سائنس دان لیون ہوک نے اتنا قوی لینس یا عدسہ بنایا کہ اُس نے ان جراثیم کو دیکھنے میں کچھ کامیابی حاصل کر لی اور ڈرائینگ کے ذریعے ان کی شکل بنائی۔

بیکٹریا دراصل بیکٹیریم کی جمع ہے۔ ہر بیکٹیریم صرف ایک خلیے کا جاندار ہوتا ہے۔ ان جراثیم کی بہت سی قسمیں ہوتی ہیں اور یہ علم اتنا وسیع ہے کہ اُسے الگ کر کے ایک نام رکھ دیا گیا ہے۔۔ بیکٹریالوجی یعنی جراثیم کا مطالعہ۔

بیکٹریا کو بھی زندہ رہنے کے لیے غذا کی ضرورت پڑتی ہے۔ مثلاً جب وہ کسی کے خون میں چلے جاتے ہیں تو خون ہی ان کی غذا بن جاتا ہے۔ جب انھیں مناسب غذا ملتی ہے تو وہ بڑی تیزی سے اپنی تعداد میں اضافہ کرتے ہیں اور وہ اس طرح کہ وہ جلدی جلدی دو حصّوں میں تقسیم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یعنی ایک سے دو، دو سے چار، چار سے آٹھ اور آٹھ سے سولہ اور یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہتا ہے اور اس کام میں بہت تھوڑا وقت لگتا ہے۔

جب یہ خطرناک جراثیم کسی انسان یا جانور کے جسم میں داخل ہوتے ہیں تو خون میں موجود ہمارے دوست جراثیم اُن سے لڑنے اور ان پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر وہ اس کوشش میں کام یاب ہو جاتے ہیں تو انسان، جانور بیمار نہیں ہوتا، لیکن اگر وہ حاوی ہو جاتے ہیں تو متاثرہ انسان یا جانور بیمار پڑ کر مر جاتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ مریض انسان یا جانور کے مر جانے کے بعد یہ جراثیم بھی مر جاتے ہیں جو اُس کی موت کے ذمّے دار ہوتے ہیں؟۔ بعض دفعہ تو ایسا ہی ہوتا ہے، لیکن بعض دفعہ نہیں بھی ہوتا۔ خاص طور سے مویشیوں کی بعض بیماریوں میں مُردہ جانور کے جسم سے نکل کر یہ جراثیم زمین پر آ جاتے ہیں اور اپنے چاروں طرف ایسا حفاظتی خول پیدا کر لیتے ہیں کہ آندھی، طوفان، دُھوپ، بارش کوئی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ یہ اپنی پناہ گاہ میں بعض اوقات مہینوں اور سالوں زندہ رہتے ہیں۔ چوں کہ بہت مختصر اور ہلکے ہوتے ہیں، اس لیے ہوا اُنھیں اُڑا کر کہیں سے کہیں لے جاتی ہے۔ اگر کسی جانور کی جلد پر کوئی زخم یا شگاف ہو تو یہ فوراً اُس میں داخل ہو کر اُسے بھی بیمار ڈال دیتے ہیں۔ اگر علاج میسر نہ آئے تو جانور مر جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہوا میں ہر وقت بیکٹریا موجود رہتے ہیں۔ انہی کی وجہ سے باسی غذا سڑ جاتی ہے اور اس میں خمیر پیدا ہو کر وہ سرکہ بن جاتی ہے۔ ہر چیز میں خمیر اور

خرابی بیکٹریا کی وجہ ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ ایک فرانسیسی سائنس داں اور طبیب لوئی پاسچر نے پہلی مرتبہ اِن جراثیم کے عمل کا اندازہ لگایا۔ اس نے دُنیا کو یقین دلایا کہ یہ جراثیم واقعی موجود رہتے ہیں اور کئی بیماریوں کا سبب بنتے ہیں۔ اِس بات کو سو سال سے کچھ کم عرصہ گزرا ہے۔

بیکٹریا سب سے زیادہ نقصان اس وقت پہنچاتے ہیں جب وہ کسی زخم یا ہماری جلد کے کسی شگاف میں داخل ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پُرانے زمانے میں بہت سے مریض آپریشن کے بعد زخم خراب ہو جانے کی وجہ سے مر جاتے تھے۔ پاسچر کی تحقیقات کے بعد ہی ڈاکٹروں نے اِن زخموں کی حفاظت کرنا ضروری سمجھا اور اِن پر پٹی باندھنے لگے اور انھوں نے ہاتھوں کو صاف رکھنے کی طرف توجّہ دی۔

سب سے پہلے اسکاٹ لینڈ کے ایک ڈاکٹر کو یہ خیال آیا کہ آپریشن کرنے سے پہلے چاروں طرف کے بیکٹریا تلف کر دینے چاہئیں۔ اس کا نام لسٹر تھا۔ اُس نے صفائی کے لیے کاربالک ایسڈ چھڑکنا شروع کیا۔ یہ تھی پہلی جراثیم کُش دوا جو آپریشن تھیٹر میں استعمال کی گئی۔ اب اس اصول پر سختی سے عمل کیا جاتا ہے اور صفائی کا بہت خیال رکھا جاتا ہے تاکہ آپریشن کے بعد مریض کا زخم خراب نہ ہونے پائے۔ آپریشن کرتے وقت سرجن ہاتھوں میں باریک دستانے پہنتے ہیں اور ناک پر کپڑا چڑھائے رکھتے ہیں۔ تمام آلات کو پانی میں اُبال کر جراثیم سے پاک کر لیا جاتا ہے۔ ہمیں روزمرّہ زندگی میں بھی یہ خیال رکھنا چاہیے کہ جراثیم ہوا میں ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ گندگی سے بچیں۔ صفائی کو اپنا دوست بنائیں۔ صفائی نصف ایمان ہے۔

گھوڑے نے شیر کو مار ڈالا

عدیس ابابا سے اطلاع ملی ہے کہ جنوب مغربی ایتھوپیا کے ایک کھلیان میں ایک گھوڑے نے ایک شیر کو کاٹ کر ہلاک کر دیا۔ شیر بہت بھوکا تھا اور تین بکریوں کو ہڑپ کر چکا تھا اور ایک گدھے پر دانت تیز کر رہا تھا کہ گھوڑے نے شیر کی گردن میں اپنے دانت گاڑ دیئے اور اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک کہ شیر کا خاتمہ نہ ہو گیا۔

مرسلہ: اقبال محمود، کراچی

دل چسپ اور حیرت انگیز

یوگنڈا کے مقام کیلیمبے میں ایک عجیب و غریب گرجا گھر (چرچ) ہے۔ یہ گرجا گھر صرف کھجور کے درخت کے تنوں سے بنایا گیا ہے اور اس کی چھت پیپای رس سے پاٹی گئی ہے جو ایک قسم کی موٹی دلدلی گھاس ہوتی ہے۔

مغربی افریقہ میں ایک عجیب و غریب پودا ہے۔ یہ اتنا پرانا پودا ہے کہ اس کا کچھ حصہ پتھرا چکا ہے۔ یہ نادر چیز دُنیا کے ابتدائی دور کی یادگار ہے۔ دُنیا میں اس قسم کی دوسری چیز کہیں اور نہیں ہے۔ اس کا مرکزی حصہ لکڑی کا ہے، لیکن جوں ہی اس میں پہلی پتیاں نکلتی ہیں یہ اوپر بڑھنے سے رک جاتا ہے اور باہر کی جانب پھیلنے لگتا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ان میں سے بعض پودے ایک ہزار سال سے بھی زیادہ پرانے ہیں۔

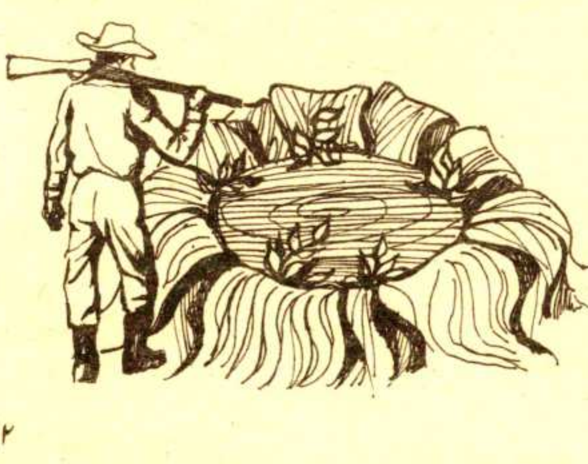

رُبالو کے کارنامے

بولتے جُوتے

معراج

رُبالو بی شریفاں سے تنگ آچکا تھا۔ آخر غلطی بھی تو بی شریفاں کی تھی۔ وہ جُوتے مرمّت کرواکے اُجرت نہیں دیتی تھی۔ آخر ایک دن رُبالو نے اپنی ماں سے کہا، "امّی میں بی شریفاں کے جوتوں کی مرمّت نہیں کروں گا۔ میں اب اس کا لحاظ بھی نہیں کروں گا کہ وہ آپ کی بچپن کی سہیلی ہی سہی" "کیوں کیا ہوا بیٹا! کیا وہ جوتے مرمت کرنے کی اُجرت نہیں دیتی؟"

رُبالو نے کہا، "مجھے یہی تو شکایت ہے ان سے، بی شریفاں نے سات جوڑی جوتے مرمّت

کروائے اور ایک پائی بھی ادا نہیں کی۔

رُبالو کی ماں نے کہا، "بیٹے، میں تو شریفاں کو اسم بامُسمّیٰ سمجھتی تھی۔ آج تم سے اس کی یہ حرکت معلوم کرکے رنج ہوا۔ اب تم کوئی فکر نہ کرو۔ جیسے ہی شریفاں کے جوتے مرمّت کے لیے لاؤ تم مجھے خبر کردینا۔"

"شریفاں کے جوتے مرمّت کے لیے آئے رکھے ہیں۔" ربالو نے کہا اور ایک بکس میں سے جوتے نکال کر ماں کے حوالے کردیے۔

ماں نے کہا، "سنو رُبالو، تم یہ جوتے پانچ منٹ کے لیے مجھے دے جاؤ۔ میں تمھیں یقین دلاتی ہوں کہ بی شریفاں تمھاری پائی پائی چکا دے گی۔

رُبالو نے کہا، "بہت اچھا ماں جی، لیکن میں نے دل میں پکّا ارادہ کرلیا ہے کہ میں ان کے یہ جوتے آخری بار مرمّت کر رہا ہوں۔"

رُبالو کی ماں جوتے اپنے ساتھ لے گئی۔ ماں کے کمرے سے کچھ منتر پڑھنے کی آواز آتی رہی۔ آخر کار ماں اپنے ہاتھ میں جوتے لیے رُبالو کے پاس پہنچی جوتے پہلے سے بھی زیادہ گندے اور بدنما لگ رہے تھے۔ البتہ ان کی جیبھ خوب چمک رہی تھی اور یوں لگ رہی تھی جیسے ابھی پٹاپٹ بولنا شروع کردے گی۔

"ماں، یہ آپ نے جیبھ پر کیا مل دیا ہے، یہ تو خوب چمک رہی ہے۔" ربالو نے حیرانی سے پوچھا۔

ماں نے کہا، "بیٹا میں ابھی یہ راز تم کو نہیں بتا سکتی۔ اب تم جاکر ان جوتوں کی مرمّت کرڈالو۔"

ربالو نے ان جوتوں کی مرمّت کردی۔ شام کے وقت جب بی شریفاں جوتے لینے آئی تو رُبالو نے تیز لہجے میں کہا، "دو رُپے دیجیے۔"

بی شریفاں پریشان ہوکر بولی، "ہائے بیٹا، میں بٹوا تو گھر بھول آئی۔ خیر، اب تم جوتے مجھے دے دو، کل میں تمھاری ماں کو رُپے دے دوں گی۔" پھر وہ رُبالو کی ماں سے بولی، "کل شام میرے ہاں پارٹی ہے۔ تم ضرور آنا۔"

رُبالو کی ماں ہنس کر بولی، "کیوں نہیں بہن میں ضرور آؤں گی، کیوں کہ قینچی کی طرح کچ کچ چلتی ہوئی زبانیں اور ہنسی ٹھٹھول مجھے بے حد پسند ہے۔"

اگلے دن رُبالو کی ماں دعوت میں پہنچ گئی۔ بی شریفاں کے گھر اور بہت سی عورتیں آئی ہوئی تھیں،

بی جمالو، بی فتورن، بیگم آتو خان اور بہت سی دوسری عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ بی شریفاں کی زبان قینچی کی طرح چل رہی تھی۔ دوسری عورتیں جب بات کرنے لگتیں، بی شریفاں پھٹ سے بات کاٹ کر اپنی بات شروع کر دیتی۔

"میں سوچتی ہوں ــــــــ" بی شریفاں نے کچھ کہنا چاہا۔

"تمھارے دماغ میں تو بُھس بھرا ہے، کیا خاک سوچو گی تم"۔ کسی نے دھیرے سے کہا۔

بی شریفاں ہکّی بکّی رہ گئی۔ وہ بولی "اے بی! ذرا مونھ سنبھال کے بات کرنا، زبان درازی مجھے بالکل پسند نہیں"۔

چُپ کے سے کسی نے جواب دیا "اے بی کون تم جیسوں کے منھ لگے؟ صبح تم نے جو زبان درازی خانم صاحبہ سے کی وہ سب کو معلوم ہے"۔

"یہ کون بول رہا ہے؟" بی شریفاں نے بپھر کر کہا۔

بی فتورن نے کہا "شاید کوئی میز کے نیچے چھپا ہوا ہے؟" سب نے جُھک کر میز کے نیچے دیکھا، لیکن وہاں کوئی بھی نہ تھا۔

رُبالو کی ماں نے کہا "آپ کچھ کہنا چاہتی تھیں، لیکن بات کہیں سے کہیں پہنچ گئی ہے، بہن اب اِن باتوں کو چھوڑو اور پھر اپنی دل چسپ گفت گو شروع کرو"۔ بی شریفاں خوش ہوگئی اور سب کچھ بُھول بھال کر پھر کہنے لگی "بہن میں سوچتی ہوں کہ نہ جانے دُنیا میں یہ کیا اندھیر مچا ہے کہ دودھ والے دودھ میں آدھا پانی ملانے لگے ہیں"۔

"آج تک تم نے کبھی دودھ والے کا بِل تو ادا کیا نہیں"۔ ایک آواز آئی۔

"ارے بھئی مُفت کا دُودھ پی پی کے بُڑھیا بھینس کی طرح پُھولتی جا رہی ہے"۔ ایک دوسری آواز آئی۔

اب تو شریفاں کا غصّے سے بُرا حال ہو گیا۔ وہ پاؤں پٹخ کر بولی "یہ کون میری بے عزّتی کر رہی ہے۔ ذرا سامنے آئے تو ــــ"

آہستہ سے کسی نے کہا "اجی واہ، آپ تو خواہ مخواہ غصّہ کر رہی ہیں محترمہ۔ اتنی عزّت دار ہوتیں تو لوگوں کے بل فوراً ادا کر دیتیں؟"

ایک اور آواز آہستہ سے آئی "میں تو جانوں بڑھیا نے اس بڑھاپے میں اپنا چونڈا مونڈوا دیا ہے۔ اجی

سب لوگ اس کے پیچھے تھو تھو کرتے ہیں۔"

پھر دو آوازوں نے ایک ساتھ کہا، "آخر آپ لوگوں کے بل کیوں نہیں ادا کر دیتیں؟"

بی شرلیفاں غصّے سے پاؤں پٹختی ہوئی کمرے سے باہر نکلی، جاتے جاتے بھی اس کی زبان رُک نہ سکی وہ بولی، "توبہ ہے، نہ جانے کون میرے پیچھے پڑی ہے، اُف ہے ایسی عورتوں پر، میں زندگی بھر منھ نہ لگاؤں انھیں۔"

کسی نے پھر سرگوشی کی، "آؤ جھوٹی کو گھر تک پہنچا آئیں۔"

ایک دوسری آواز آئی، "لوگ کہتے ہیں کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے اور یہ بڑھیا تو چلتی ہی جارہی ہے۔" —— بی شرلیفاں دہشت زدہ ہو کر ٹھہر گئی۔ ان عجیب آوازوں نے ابھی تک اس کا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔ راستہ بھر یہ آوازیں اسے سنائی دیتی رہیں اور اس پر فقرے کستی رہیں۔ بی شرلیفاں جب رُبالو کے مکان کے پاس پہنچیں تو ربالو نے اُسے سلام کیا۔

"خوش آمدید۔" دو آوازیں ایک ساتھ آئیں۔

"لو بھئی رُبالُو! یہ بڑھیا تمھارا قرضہ چکانے آئی ہے۔" ایک نے آہستہ سے کہا۔

دوسری آواز آئی، "بھیا رُبالُو اسے معاف کردینا، صبح کا بھولا شام کو گھر آجائے تو اُسے بھولا نہیں کہنا چاہیئے۔"

بی شریفاں شرم سے لال ہوگئیں۔ وہ بھاگی اور گھبراہٹ میں اُس نے بھیّا رُبالو کی بلّی پر پاؤں رکھ دیا۔ فوراً ایک آواز آئی "لو بھئی میں تو چلا۔ خدا حافظ۔"

یہ کہتے ہی ایک جوتا پاؤں سے نکل گیا۔

فوراً دوسری آواز نے سرگوشی کی "تمھارے بغیر میں بھی نہیں رہ سکتا۔"

دوسرا جوتا بھی ایک جھٹکے کے ساتھ بی شریفاں کے پاؤں سے نکل گیا اور وہ لڑکھڑا کر گر پڑی۔ نیک دل رُبالُو فوراً بی شریفاں کی مدد کے لیے دوڑا۔

بی شریفاں نے کانوں میں انگلیاں ٹھونسی ہوئی تھیں، وہ بولی "بیٹا رُبالو خُدا کے لیے ان منحوس آوازوں سے میرا پیچھا چھڑاؤ اور مجھے اپنے گھر لے چلو۔"

بھیّا رُبالو نے ادھر اُدھر دیکھ کر کہا "خالہ بی، کس کا ذکر کر رہی ہیں آپ؟ مجھے تو یہاں کوئی نظر نہیں آتا۔"

بی شریفاں نے آہستہ سے کہا "شاید میں پاگل ہوئی جا رہی ہوں۔ اسی لیے مجھے عجیب عجیب آوازیں سنائی دیتی رہتی ہیں۔ بیٹا کسی سے اس بات کا ذکر نہ کرنا ورنہ لوگ مجھے دیوانی سمجھیں گے۔"

ایک جوتے نے آہستہ سے کہا "دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔"

دوسرا جوتا بھی بہت آہستہ سے بولا "اور جوتوں کے منھ میں بھی زبان ہوتی ہے۔"

دونوں جوتوں نے بہت زور کا قہقہہ لگایا۔ بی شریفاں نے بدحواس ہو کر نیچے کی طرف دیکھا۔ دونوں جوتے منھ پھاڑے ہنس رہے تھے۔ ان کی زبانیں لپک لپک کر باہر نکل رہی تھیں۔

"تو یہ سب رُبالو کی ماں کا کیا دھرا ہے۔ میں ابھی اس کی خبر لیتی ہوں۔ جوتے مار مار کے چونڈا نہ مونڈ دیا تو شریفاں نام نہیں۔" بی شریفاں نے غصے سے چلاّتے ہوئے کہا۔

دونوں جوتے چیخ کر بولے "مائی شریفاں خیریت اسی میں ہے کہ تم بھیّا رُبالُو کی رقم ادا کردو ورنہ ہم ہر جگہ شور مچاتے پھریں گے اور آپ کی مفت میں بدنامی ہوگی۔"

یہ بات بی شریفاں کی عقل میں آگئی۔ اُس نے فوراً بٹوہ کھول کر بھیّا رُبالو کی رقم ادا کردی۔ گھر جاتے

ہی بی شریفاں نے سب سے پہلے یہ کام کیا کہ سب جوتوں کو باہر گلی میں پھینک دیا۔

اسی رات کا ذکر ہے کہ جب رُبالو اپنی ماں کو جوتوں کی بات سُنا کر ہنس رہا تھا تو ماں نے کہا "بیٹا تم نے دیکھ لیا کہ جس طرح جوتوں نے بی شریفاں کے خلاف گواہی دی اور جگہ جگہ پر اس کی بُرائیوں کا ڈھنڈورا پیٹا۔ ہم پر بھی ایک دن آئے گا جب ہمارے ہاتھ، پاؤں، آنکھیں اور جسم کا ایک ایک ذرّہ ہمارے خلاف گواہی دے گا۔ اس لیے میرے بیٹے کوئی برائی کرنے سے پہلے تم اچھی طرح سوچ لیا کرو کہ بہت سے جاسوس تمھارے ساتھ ہیں جو خود تمھارے خلاف گواہی دیں گے اور قیامت کے دن تمھیں شرمندہ اور پریشان کریں گے۔"

بھیا رُبالو سر جُھکائے بہت دیر تک سوچتا رہا۔ تب اس نے عہد کیا کہ وہ کسی سے بُرائی نہیں کرے گا۔

احتیاط برتو

۱۔ کوئی دوا کھانا ہو تو ہمیشہ اپنے کسی بڑے کو دکھا کر کھاؤ۔

۲۔ ہاتھ یا پَیر میں چوٹ لگ جائے اور خون نکل آئے تو پہلے صاف کپڑے سے زخم کو صاف کرکے اس پر کوئی دوا لگاؤ۔ زخم پر مٹی نہ پڑنے دو۔

۳۔ بازاری قسم کی دوا کبھی نہ کھاؤ۔ طبیب یا معالج کے علاوہ کوئی شخص کوئی دوا بتائے یا دے تو نہ کھاؤ۔

۴۔ اگر چھالے ہو جائیں تو انھیں قینچی یا سوئی سے نہ پھوڑو۔

۵۔ لکڑی یا سوئی سے کان کا میل صاف نہ کرو، نہ کسی کان میلیئے سے کان صاف کراؤ۔

۶۔ آنکھوں میں تکلیف ہو جائے تو طبیب کے مشورے کے بغیر کوئی دوا نہ ڈالو۔ نہ کوئی بازاری سُرمہ لگاؤ۔

۷۔ جس شیشی پر دوا کے نام کا لیبل نہ لگا ہو، اس میں سے دوا نہ پیو۔ لگانے کی دوا پر "زہر" کا لفظ لکھ کر رکھو۔

۸۔ دانتوں کو سُوئی یا کسی نوکیلی چیز سے نہ کُریدو۔

مرسلہ: آنسہ غزالہ بشیر، کراچی

روشنی ہی روشنی

سید رشید الدین احمد

حضرت خواجہ حسن بصریؒ

اسلامی تعلیمات کے صاف شفّاف چشمے سے فائدہ اُٹھانے کا حق سب کو حاصل ہے۔ اس کی روشنی پوری انسانیت کے لیے ہے۔ کالے، گورے، بادشاہ، غلام، چھوٹے بڑے غرض ہر طبقے کے انسان اسلامی تعلیمات سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اس کی نظر میں سب برابر ہیں۔ اس نے علم و کمال کے دروازے سب کے لیے کھلے رکھے، چناں چہ جو غلام اپنی قابلیت، محنت اور شوق سے علم میں کوئی اہم مقام حاصل کر لیتے تھے، ان کی بھی عزّت کی جاتی تھی۔

ایسے ہی نام ور مسلمانوں میں حضرت خواجہ حسن بصریؒ بھی تھے۔ اُن کے والدین غلام تھے۔ ۲۲ھ میں یعنی حضرت عمرؓ کی شہادت سے تقریباً دو سال پہلے مدینے میں پیدا ہوئے۔ والدہ اُمّ المومنین حضرت اُمِ سلمہؓ کی کنیز تھیں اسی لیے حضرت حسنؒ کو ان کے گھر میں اچھی تربیت پانے کا موقع ملا، ان کے زمانے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بڑی تعداد بقیدِ حیات تھی۔ اس طرح ان کو علم و فضل کا ماحول ملا اور وہ اپنی کوشش اور محنت سے اس زمانے کے سب سے بڑے عالم بن گئے۔

خواجہ حسنؒ فرماتے تھے کہ انسان کو ہر وقت یہ تصّور رکھنا چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے۔ وہ خود بھی خدا کے خوف سے ڈرے سہمے رہتے تھے۔

حضرت خواجہ حسن بصریؒ ایک دن مسجد کی چھت پر بیٹھے ہوئے تھے اور خوفِ خدا سے آپ کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔ اتفاقاً آپ نے گلی کی طرف جھانکا تو آپ کے آنسو ایک راہ گیر پر جا پڑے۔ اُس نے اوپر دیکھ کر کہا،

"بھائی! پانی کے یہ قطرے پاک تھے یا ناپاک؟"

آپ نے فرمایا، "میرے بھائی اپنے کپڑے دھو لو، یہ قطرے پاک نہیں۔ یہ ایک گنہ گار کے آنسو ہیں، تمھیں جو تکلیف پہنچی ہے اس کے لیے مجھے معاف کر دو۔"

ایک دن آپ نے دریائے دجلہ کے کنارے ایک حبشی کو دیکھا جو ایک عورت کے ساتھ بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ اس کے سامنے ایک بوتل پڑی ہوئی تھی اس میں سے انڈیل کر خود بھی پی رہا تھا اور عورت کو بھی پلا رہا تھا۔ آپ نے اس کی اس حرکت کو ناپسند فرماتے ہوئے اس کی طرف ملامت آمیز نظروں سے دیکھا۔ اتنے میں مسافروں سے لدی ہوئی ایک کشتی ادھر سے گزری اور کچھ دور جا کر منجدھار میں پھنس گئی۔ کشتی کے مسافر دریا میں جا پڑے اور غوطے کھانے لگے۔ حبشی فوراً دریا میں کود پڑا اور آدمیوں کو دریا سے نکال کر باہر لایا۔ پھر آپ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا، "حضرت آپ مجھ پر ملامت آمیز نظریں ڈالتے ہیں اور میں نے اپنی جان پر کھیل کر ان آدمیوں کو غرق ہونے سے بچایا ہے۔ آپ نے ایک ہی کو بچا لیا ہوتا۔" آپ حبشی کی باتیں سن کر حیران ہوئے۔ پھر حبشی نے کہا، "اے مسلمانوں کے امام! بوتل میں شراب نہیں بلکہ پانی ہے اور یہ عورت میری ماں ہے۔ آپ کسی کے ظاہر سے اس کے باطن کا اندازہ کیسے کر سکتے ہیں؟"

چناں چہ آپ نے اُس حبشی سے معافی مانگی۔ اس دن کے بعد سے کسی کو بھی حقارت کی نظر سے نہیں دیکھا۔ اُن کی وفات ۱۱۰ھ میں بصرے میں ہوئی۔ ان کے جنازے میں اتنے لوگ شریک ہوئے کہ جامع مسجد بصرے میں عصر کی نماز کے لیے ایک شخص بھی نہ رہا۔

سرچشمۂ ہدایت

عابد و زاہد کی تلاش کے لیے ـــــــــ غارِ حرا کے شب زندہ دار کو دیکھیے

تاجر کو دیکھنے کے لیے ـــــــــ شام اور مکّے کے تاجر کی زندگی ملاحظہ فرمائیے۔

سپہ سالار کو دیکھنا ہے تو ـــــــــ بدر و حنین کے غازی کو دیکھیے

کسی شوہر کی تلاش ہے تو ـــــــــ خدیجۃ الکبریٰؓ اور عائشہ صدیقہؓ کے شوہر کی جستجو کیجیے۔

کسی باپ کی شفقت کو دیکھنا ہے تو ـــــــــ فاطمۃ الزہراؓ کے پیارے ابّا جان کو دیکھیے۔

کسی مدبّر کی تلاش ہے تو ـــــــــ مدینے کے حاکم کو دیکھیے۔

کسی قانون ساز کو دیکھنا ہے تو ـــــــــ دُنیا کے سب سے پہلے معاہدۂ امن کے مُحرّک کی مثال دیکھیے۔

کسی جری اور بہادر کو دیکھنا ہے تو ـــــــــ اس کی نظیر لائیے جو مدینے کی حفاظت تنہا کرتا تھا۔

(مرسلہ: حبیب فخر، حبیب استو)

دیس کی قسمت

عبدُ الغنی شمس

ہم بچّے ہیں، دیس کی قسمت
اچھّی پڑھائی، اچھّی صحت
اچھی غذا کی ہم کو ضرورت
یہ نعرہ ہے ایک حقیقت
ہم بچّے ہیں، دیس کی قسمت

ہم کو کھلاؤ دودھ ملائی
پھر تو ہوگی خوب پڑھائی
اور کریں گے دل سے محنت
ہم بچّے ہیں، دیس کی قسمت

آج کے بچّے، کل کے جواں ہیں
آگے بڑھیں تو سیلِ رواں ہیں
ہم سے وطن کی شان و عظمت
ہم بچّے ہیں، دیس کی قسمت

نظروں میں سنسار کی پیارے
ہم دھرتی کے راج دُلارے
کام ہمارا سب کی خدمت
ہم بچّے ہیں، دیس کی قسمت

کھیل

سلیم کوثر

لفٹ رائٹ، لفٹ رائٹ، لفٹ

سیدھی گردن باہر سینہ
اِک دُوجے کے پیچھے چلنا
آگے پیچھے ہاتھ ہلانا

لیکن گر مت جانا بچّو
اچھے بچّو پیارے بچّو
لفٹ رائٹ ، لفٹ رائٹ، لفٹ

رائٹ ٹرن
دائیں پاؤں کو روک کے رکھنا
اور پنجے پر گھوم بھی جانا
اِک پَل رُکنا پھر چل دینا

آنکھیں سامنے رکھنا بچّو
اچھے بچّو پیارے بچّو
لفٹ رائٹ، لفٹ رائٹ لفٹ

کلاس ٹرن.

کان میں جب آواز یہ آئے
گردشِ پیروں کی رُک جائے
لیکن کوئی نہ شور مچائے

بند ہے ہلنا جُلنا بچو
اَچھے بچو پیارے بچو
لفٹ رائٹ، لفٹ رائٹ، لفٹ

کلاس ڈِس مِس

ختم ہوا ہے کھیل چلو اب
رُوم میں اپنے جاؤ پڑھو اب
وقت نہ اپنا ضائع کرو اب

پڑھنا ، لکھنا ، سوچنا بچو
ہر دم کام یہ کرنا بچو
لفٹ رائٹ، لفٹ رائٹ، لفٹ

بڑھتی عمر اور مضبوط تر دانت

صحیح نشوونما کے لئے غذا کو اچھی طرح چبانے اور اس کو ہضم کرنے کی قوت بے حد ضروری ہے۔ لیکن خود اس کا دار و مدار مضبوط اور صحت مند دانتوں پر ہے۔ دانت اُسی وقت مضبوط، صحت مند اور خوبصورت رہ سکتے ہیں جب ان کی صحت اور صفائی کا پورا پورا خیال رکھا جائے۔

عمدہ دانت زندگی بھر کے ساتھی ہوتے ہیں۔

اُن کی پوری پوری حفاظت ہمدرد منجن سے کیجئے۔ ہمدرد منجن گہرائی تک پہنچ کر ان کی صفائی کرتا ہے۔ دانتوں کو کیڑا لگنے سے بچاتا ہے۔ مسوڑھوں کی مالش کرتا ہے اور مُنہ کی بدبو کو دور کرتا ہے۔ اس کی ہلکی ہلکی ٹھنڈک اور خوشبو بڑی دلپسند ہے۔

ہمدرد منجن

مسکراہٹ میں کشش اور دانتوں میں سچے موتیوں کی چمک پیدا کرتا ہے۔

ہمدرد

ہمدرد دواخانہ (وقف) پاکستان

کراچی — لاہور — راولپنڈی — پشاور

اخبار نونہال

اُردو کا آغاز سندھ سے ہُوا

خیرپور کی اُردو کانفرنس میں سندھ کے ایک ممتاز ادیب نے ایک اہم مقالے میں یہ ثابت کیا ہے کہ اُردو کا آغاز سندھ سے ہوا اس کے بعد وہ پنجاب میں پھیلی، دکن میں منظم ہوئی، دہلی میں وہ پروان چڑھی اور لکھنؤ میں تکمیلی مدارج طے کیے۔ مقالہ نگار نے ناقابلِ تردید شہادتوں سے ثابت کیا ہے کہ اُردو کے آغاز کا فخر سندھ کو حاصل ہے اور محمد بن قاسم کی افواج کے سندھ پہنچنے اور ہندوؤں سے اختلاط کے نتیجے میں وہ عظیم زبان وجود میں آئی جسے آگے چل کر برصغیر کی سب سے بڑی زبان ہونا تھا۔

اسی کانفرنس میں ایک دوسرے سندھی مگر ہندو ادیب نے یہ ثابت کیا کہ اُردو میں سندھی کے الفاظ کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں اس لیے اُردو کی ترقی سندھ کے لیے موجبِ مسرت و اطمینان ہے۔ اُردو سندھ کی ایسی دولت ہے جس پر وہ فخر کرسکتا ہے۔

مرسلہ: ابوالاجلال، کراچی

شہد کی چیونٹی

آپ نے شہد کی مکھیوں کے بارے میں بہت کچھ پڑھا ہوگا بلکہ انھیں خوب اچھی طرح دیکھا بھی ہوگا لیکن آپ نے یہ نہیں سنا ہوگا کہ شہد کی مکھیوں کی طرح شہد کی چیونٹیاں بھی ہوتی ہیں۔

شہد کی یہ چیونٹیاں مکھیوں سے بالکل مختلف ہوتی ہیں، لیکن شہد یہ بھی جمع کرتی ہیں۔ شمالی

امریکا کی یہ چیونٹیاں چھتوں میں شہد جمع نہیں کرتیں اس کے بجائے وہ اپنی ہی نسل کی کارکن چیونٹیوں کو استعمال کرتی ہیں۔ یہ انھیں زمین کی گہرائی میں اپنی بلوں کے اندر رکھتی ہیں۔ کارکن چیونٹیاں بل سے باہر نہیں نکلتیں۔ چیونٹیاں انھیں ہر وقت بلوط کے درخت کے پتّوں پر جمع ہونے والا ایک قسم کا شیرہ پلاتی رہتی ہیں۔ یہ پیتے پیتے ان کے پیٹ ننھے ننھے غباروں کی طرح پھُول کر کُپّا ہو جاتے ہیں۔ شیرے کے وزن کی وجہ سے وہ کُپّیوں اور ٹنکیوں کی طرح اوپر نیچے لدی پڑی رہتی ہیں۔ شیرے کی کمی کے زمانے میں یہ چیونٹیاں ان مکھیوں کے منھ سے شیرا نکال نکال کر اپنا پیٹ بھرتی رہتی ہیں۔ موسم آنے پر انھیں دوبارہ بھر دیا جاتا ہے۔

مرسلہ۔ ایس۔ آر۔ احمد، کراچی

کروڑپتی مزدور

ویت نام کے شہر سائیگون (حال ہوچی منھ سٹی) کا ایک کروڑپتی جان کوک ان دنوں امریکا میں لوگوں کی کاریں دھو کر اپنا اور بال بچوں کا پیٹ پال رہا ہے۔ جان کوک کی ماہانہ آمدنی ڈھائی لاکھ روپے کے برابر ہوا کرتی تھی، لیکن سائیگون پر ویت کانگ کے قبضے کے دوران اُسے اپریل ۱۹۷۵ء میں شہر سے فرار ہو کر امریکا جانا پڑا۔ وہ ان دنوں کیلی فورنیا میں ایک پٹرول پمپ پر گاہکوں کی گاڑیوں میں پٹرول ڈالتا اور اُنھیں دھوتا ہے۔ وہ روزانہ ۱۴ گھنٹے سخت محنت کرتا ہے ع :

بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے؟

مرسلہ: ضیاالرحمان، کراچی

گوریلا بندر اور ٹی وی

امریکا کے ایک چڑیا گھر میں بند، بہت سے گوریلا بندروں نے دھما چوکڑی مچا کر چڑیا گھر کے عملے کو پریشان کر رکھا تھا۔ آخر چڑیا گھر کے نگران نے ایک تجربہ کرنے کی ٹھانی اور ان کے پنجرے میں ایک ٹی وی سیٹ رکھوا دیا۔ ٹی۔ وی پروگرام دیکھ کر یہ بندر اپنی چوکڑی بھول گئے اور انھوں نے پروگراموں میں دل چسپی لینی شروع کر دی۔ یہ بندر مار دھاڑ کی فلموں کو بہت زیادہ پسند کرتے اور ان میں کھو جاتے ہیں۔ انھیں ٹی وی میں دی جانے والی اشتہاری فلموں سے چڑ ہے۔

مرسلہ: کہکشاں عروج، کراچی

مکّے باز اور دغا باز

یوں تو امریکا کے مغربی علاقے میں اکثر گولیاں چلتی رہتی ہیں اور مکّے بازی بھی ہوتی رہتی ہے۔ مگر قصبہ کاؤڈیل نے چیمپ جیسا مکّے باز پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا چناں چہ جب مقامی مکّے باز لسٹی اور چیمپ کے درمیان مقابلہ ہوا تو تمام لوگ اسے دیکھنے آ گئے، کوئی تو مقامی مکّے باز ہمت افزائی

کر رہا تھا اور کوئی نو وارد مکّے باز کو بڑھاوے دے رہا تھا۔ لسٹی بھی کوئی معمولی باکسر نہ تھا۔ مگر جب جیمپ نے تیسرے چکر میں داہنے مکّے سے اپنے مدمقابل کی ٹھڈی پر ایک بھرپور وار کیا تو لسٹی لڑکھڑا کر چاروں خانے چت ڈھیر ہو گیا، چناں چہ مقابلہ ختم ہو گیا اور جیمپ جیت گیا۔

مقابلے کے اختتام پر لوگ جیمپ کو مبارک باد دینے لگے۔ ان ہی لوگوں میں سے ایک ایک آدمی نے جیمپ سے کہا، "میں مکّے بازی کے مقابلوں کا انتظام کرتا ہوں۔ میرا نام ہے گرینگر۔ اگر تم کہو تو میں ڈینوائل میں تمھارے مقابلے کا بندوبست کر دوں۔ تم کو دو سو ڈالر کی رقم مل جائے گی۔ کل تک انتظار کرو تو میں تمھاری ہی گھوڑا گاڑی میں تمھارے ساتھ چلا چلوں گا۔"

جیمپ تو گھر سے نکلا ہی اسی لیے تھا کہ مختلف مقابلوں میں شریک ہو اور اس طرح کمائی کرے۔ وہ راضی ہو گیا۔ دوسرے دن وہ بند گھوڑا گاڑی میں گرینگر اور اپنے ساتھی کیکٹس کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ گرینگر پہلے تو گاڑی کے اگلے حصّے میں بیٹھا جو کھلا ہوا تھا مگر ذرا ہی دیر میں گرمی کا بہانہ کر کے اندر چلا گیا۔ کچھ دُور جا کر جب کیکٹس نے اپنی گاڑی کو شاہ راہ کی جانب موڑا تو جیمپ کو گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ اب جو اس نے مُڑ کر پیچھے دیکھا تو اسے سرکاری سپاہی گھوڑوں پر سوار آتے دکھائی دیے۔ یہ سپاہی اس سرکاری خزانے کی نگرانی کر رہے تھے جو ایک بند گھوڑا گاڑی میں سرکاری خزانے پہنچایا جا رہا تھا۔ جیمپ نے کیکٹس سے کہا، "یہ لوگ قلعہ آرچر جاتے ہوں گے، تم گاڑی ذرا کنارے لگا لو تاکہ یہ لوگ نکل جائیں۔"

ابھی اس کے منھ سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ گولیاں چلنے لگیں اور جیمپ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ تین سوار گھوڑوں پر سے گر پڑے ہیں۔ اتنے میں سواروں کا سرغنہ چلّایا، "خبردار! ہم ڈاکوؤں کے نرغے میں آ گئے ہیں۔"

اتنے میں جیمپ کو احساس ہوا کہ گولیاں خود اسی کی گاڑی کے اندر سے چلائی جا رہی ہیں۔ وہ فوراً گاڑی کے اندر پہنچا۔ وہاں کیا دیکھتا ہے کہ گرینگر اپنی پستول سے سپاہیوں پر گولیاں برسا رہا ہے۔ جیمپ چلّایا، "گرینگر، دغاباز، کمینے!" یہ کہہ کر وہ گرینگر پر جھپٹا، مگر

گرینگر نے اسے گولی مار دی۔ جیمپ زخمی ہو کر گر پڑا اور پھر بے ہوش ہو گیا۔ اسی عرصے میں گرینگر کے تین اور ڈاکو ساتھیوں نے جو قریب ہی جھاڑیوں میں چھپے ہوئے تھے سپاہیوں کو اپنی گولیوں کا نشانہ بنالیا۔ تمام سپاہی یا تو مر گئے یا زخمی ہو کر گر پڑے۔ صرف ایک سپاہی جان بچا کر بھاگ نکلا۔

ادھر گرینگر نے کوچ بان کیکٹس کے سر پر بھی پستول کا دستہ مار دیا اور وہ بھی گر کر وہیں بے ہوش ہو گیا۔ اب گرینگر اور اس کے تین ساتھیوں نے اطمینان سے خزانے والی گاڑی کو لوٹ لیا اور ساری رقم آپس میں بانٹ لی۔ جب یہ سب ہو چکا تو گرینگر کا ایک ساتھی بولا "مگر وہ دونوں تو گاڑی کے اندر ابھی زندہ ہیں۔ ذرا ٹھیرو، میں انھیں بھی ٹھکانے لگائے دیتا ہوں۔"

اس پر گرینگر بولا "اس کی کیا ضرورت ہے۔ کیوں اپنا کارتوس برباد کرتے ہو؟ ایک سپاہی بھاگ نکلا ہے۔ وہ قلعہ آر پر جا کر اس واقعے کی اطلاع کر دے گا، لہٰذا اب اسے اور اس کے ساتھیوں کو یہ ثابت کرنا دشوار ہو جائے گا کہ وہ اس ڈاکے میں شریک نہیں تھے۔"

اس کے بعد یہ سب دغا باز خزانہ لوٹ کر وہاں سے رفو چکر ہو گئے۔ ادھر جیمپ اور اس کے ساتھی کیکٹس کو جب ہوش آیا تو انھیں موقع کی نزاکت کا احساس ہوا اور دونوں گاڑی لے کر اس واقعے کی اطلاع کرنے روانہ ہو گئے، لیکن تھوڑی ہی دور انھیں پھر گولیوں کی آوازیں سنائی دیں اور ذرا ہی دیر میں سواروں نے ان کی گاڑی کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اب جو جیمپ نے ان سواروں کو دیکھا تو بولا "ارے یہ تو ڈاکو نہیں ہیں، یہ تو پولیس والے ہیں۔"

داروغہ پولیس نے فوراً پستول تان کر کہا "رک جاؤ ورنہ گولی مار دوں گا۔"

بات دراصل یہ ہے کہ ڈاکے کی اطلاع تار کے ذریعے سارے علاقے میں ہو گئی تھی۔ چناں چہ داروغہ نے جیمپ اور کیکٹس کو اس ڈاکے میں ملوث ہونے کے الزام میں گرفتار کر لیا۔ جیمپ نے لاکھ سر مارا لیکن اس کی ایک نہ سنی گئی اور تھوڑی دیر بعد جیمپ اور کیکٹس قریب ہی کے ایک جیل خانے میں بند کر دیے گئے۔ جیمپ نے کیکٹس سے کہا "فوج کے افسر جب یہاں پہنچیں گے تو پھر خدا جانے ہمارا کیا حشر ہو۔ یہاں سے کسی طرح سے نکلنا چاہیے۔" اس پر کیکٹس بولا "مجھے ایک بات یاد آرہی ہے۔ وہ ڈاکو سین پاؤ لوس پہنچنے کی بات کر رہے تھے

یہ جنوب میں ایک سرحدی قصبہ ہے۔"
پھر کچھ دیر تک کیکٹس جیل خانے کی کھڑکی کے پاس کھڑا رہا اور باہر سڑک کو دیکھتا رہا...
چیمپ اور کیکٹس کی گھوڑا گاڑی ابھی تک باہر کھڑی ہوئی تھی اور اس میں گھوڑے بھی جتے ہوئے تھے۔ یکایک کیکٹس بولا، "ایک ترکیب بتاؤں" چیمپ نے کہا، "جلدی بتاؤ، میں سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔"

بات یہ تھی کہ گھوڑے اپنے کوچ بان کی سیٹی کو خوب پہچانتے تھے، چناں چہ جوں ہی کیکٹس نے جیل خانے کی کھڑکی سے سیٹی بجائی۔ گھوڑوں نے فوراً چلنا شروع کر دیا۔ اب جو لوگوں نے ملزموں کی گاڑی کو چلتے دیکھا تو انھوں نے شور مچایا۔ نائب داروغہ نے جو شور سنا تو وہ حیران ہو کر بولا، "لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے، میں نے تو ان دونوں کو جیل خانے میں بند کر رکھا ہے۔"

چناں چہ نائب داروغہ دوڑتا ہوا جیل خانے کے اندر پہنچا، وہاں اس نے صرف کیکٹس کو پایا۔ چیمپ اُس وقت پلنگ کے نیچے چھُپا ہوا تھا۔ اور کیکٹس کا جسم اس کو داروغہ کی نظروں سے چھپائے ہوئے تھا۔ نائب داروغہ نے پوچھا، "دوسرا آدمی کہاں ہے؟"

اِس سوال پر کیکٹس بڑی بے اعتنائی سے ایک طرف گیا۔ نائب داروغہ کیکٹس کی جانب کچھ اور بڑھا۔ اتنے میں چیمپ پلنگ کے نیچے سے نکل آیا اور بولا، "میں تمھارے پیچھے ہوں!" اب جو نائب داروغہ ادھر گھوما تو چیمپ نے خوب زور سے اس کے مُکّا مار دیا۔ نائب داروغہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔ کیکٹس نے مکّے کی تعریف کرتے ہوئے کہا، "شاباش! مگر اب ہم لوگوں کو گھوڑوں کی ضرورت ہوگی۔ کیوں کہ ہمارے گھوڑے تو گاڑی لے کر چلے گئے ہیں۔" دونوں تیزی سے جیل خانے کے باہر آئے۔ اتفاق سے قریب ہی کچھ گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ بس پھر کیا تھا۔ دونوں چھلانگ لگا کر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے نکل گئے۔ لوگوں نے جو اُنھیں بھاگتے دیکھا تو وہ بھی جلدی جلدی گھوڑوں پر سوار ہونے لگے۔ اب اس وقت چیمپ اور کیکٹس کے گھوڑے ہوا سے باتیں کر رہے تھے اور لوگ ان کا تعاقب کر رہے تھے۔

بہر حال یہ دونوں تعاقب کرنے والوں سے بہت آگے نکل گئے اور دوپہر کے وقت سین پاؤلوس کے سرحدی قصبے میں داخل ہو گئے۔ وہاں پہنچتے ہی انھوں نے ایک آدمی سے پوچھا، "کیوں بھئی، تم نے چار سواروں کو تقریباً دو گھنٹے قبل یہاں آتے دیکھا ہے؟" اس پر وہ

وہ آدمی بولا، "جی ہاں، وہ سامنے والے ہوٹل میں گئے ہیں۔"

ہوٹل میں گرینگر اور اُس کے ساتھی بڑے اطمینان سے بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ہوٹل کا دروازہ کھُلا اور جیمپ اندر داخل ہو گیا۔ اندر آتے ہی اُس نے کہا، "دغابازو، اب میری باری ہے۔"

گرینگر اور اس کے ساتھیوں نے بھی اس کو پہچان لیا اور گھبرا گئے۔ تینوں اپنے اپنے پستول نکالنے لگے مگر جیمپ نے بجلی کی سی تیزی سے ان پر حملہ کر دیا۔ اُس نے پہلے ایک میز اُٹھا کر ان پر دے ماری پھر بڑھ کر اُس نے چاروں پر مُکّے برسانا شروع کر دیے۔ ان کو اتنی مہلت ہی نہ مل سکی کہ وہ اپنے پستول نکالتے۔ اُدھر کیکٹس نے بھی ایک کُرسی اٹھا کر ایک دغاباز کے سر پر دے ماری اور کہا، "برخوردار! اب تھوڑی دیر سو جاؤ۔"

جب چاروں دغاباز زمین پر ڈھیر ہو گئے تو چیمپ نے ان پر پستول تان لیا اور بولا "ہاں گریگر، اب وہ روپیہ نکالو اور حکام کو بتاؤ کہ تم نے کس طرح ہم کو دھوکا دیا اور بہانے سے ہماری گاڑی میں سوار ہو گئے۔

عین اسی وقت داروغہ پولیس اپنے ساتھیوں کو لے کر وہاں آپہنچے اور بولے، "چیمپ! اب تم پریشان نہ ہو۔ ہم نے ساری باتیں سن لی ہیں، تم اور تمھارا ساتھی دونوں بے قصور ہیں۔"

چاروں دغابازوں کو پولیس گرفتار کر کے لے گئی اور لوٹا ہوا روپیہ برآمد کر لیا گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد چیمپ اور کیکٹس وہاں سے روانہ ہو گئے تاکہ کسی دوسری جگہ جا کر گھڑ بازی کے مقابلے میں شریک ہوں۔

ان باتوں پر توجّہ کیجیے

★ 'بزمِ نونہال' کے لیے خط مختصر لکھیے، تاکہ زیادہ سے زیادہ نونہالوں کے خط شائع ہو سکیں 'بزمِ نونہال' کے لیے خط اس انداز سے ارسال کیجیے کہ ہمیں زیادہ سے زیادہ ہر مہینے کی دس تاریخ تک موصول ہو جائے۔

★ اکثر مضمون نگار نونہال ہمیں لکھتے ہیں کہ انھوں نے کہانی یا مضمون بھیجا ہے، وہ شائع نہیں ہوا۔ ایسے تمام نونہالوں کے لیے تحریر ہے کہ وہ کہانیاں اور مضمون جو شائع ہونے کے قابل ہوتے ہیں، ہم ترتیب وار شائع کرتے ہیں۔

★ حلقۂ دوستی میں تعارف شائع کرانے والے بعض نونہال یہ شکایت کرتے ہیں کہ وہ اپنے مشغلوں میں قلمی دوستی نہیں لکھتے، مگر پھر بھی بعض نونہال انھیں خط لکھتے ہیں، لہٰذا قلمی دوستی سے دل چسپی رکھنے والے نونہالوں کو چاہیے کہ وہ صرف انھی نونہالوں سے خط و کتابت کریں جن کے مشغلوں میں قلمی دوستی شامل ہو۔

★ مضمونوں، کہانیوں کی بھرمار نہ کیجیے۔ اچھے مضمون لکھنے کی کوشش کیجیے۔ زیادہ مضمون بھیجنے کے بجائے مضمون کو اچھا بنانے پر توجّہ اور وقت صرف کیجیے۔ مختصر، صاف، اور دل چسپ لکھنے کی کوشش کیجیے۔ اچھے مضمون سے بہت جلدی شہرت ہوتی ہے۔

رنگ برنگی پُھلجھڑیاں

★ گشتی پولیس کا ایک سپاہی رات کو ایک مکان کے قریب سے گزرا تو اس کو دو آدمیوں کے جھگڑنے کی آواز آئی۔ ایک کہتا تھا "میں گلا کاٹوں گا"، دوسرا کہتا تھا "میں گلا کاٹوں گا۔"

پولیس والے نے دروازہ کھلوایا اور ان سے پوچھا، "معاملہ کیا ہے؟" تو ایک نے بتایا کہ ہم درزی ہیں۔ قمیص کا گلا کاٹنا ہے۔ یہ کہتا ہے کہ میں کاٹوں گا اور میں چاہتا ہوں کہ میں کاٹوں گا، اِس لیے آپس میں لڑ رہے ہیں۔

مرسلہ: رانا محمد اکرم، ضلع ساہیوال

★ استاد کلاس میں ایک مشکل سا سوال پوچھتا ہے۔ ایک لڑکا ہاتھ اٹھاتا ہے۔

استاد کہتا ہے: بتاؤ۔

شاگرد: جناب! میں نے سوال بتانے کے لیے ہاتھ نہیں اُٹھایا تھا بلکہ انگڑائی لینے کے لیے ہاتھ کھڑا کیا تھا۔

مرسلہ: محمد ادریس، اسلام آباد

★ ایک دیہاتی شہر میں نیا نیا گیا تو اس کے پیچھے کتے لگ گئے۔ اُس نے ایک پتھر اُٹھانا چاہا جو زمین میں دھنسا ہوا تھا۔ جب وہ پتھر اس سے نہ نکلا تو وہ بولا، "یہاں کے لوگ ایسے ہیں کہ کتّوں کو کھلا چھوڑ دیتے ہیں اور پتھروں کو باندھ دیتے ہیں۔"

★ استاد: (شاگرد سے) وہ میرا لنگوٹیا یار ہے، اس کی انگریزی بتاؤ۔

شاگرد: ہی اِز مائی انڈر ویر فرینڈ۔

★ آدمی (دودھ والے سے) بھائی آج کل تمھارا دودھ کھٹا سا آرہا ہے، کیا بات ہے؟

دودھ والا: بھائی اس لیے کہ کل میری بھینس نے دو کھٹے لیمو کھا لیے تھے۔

مرسلہ: ملک فرخ انجم اعوان کھوڑ، کیمبل پور

★ بٹیا: (ماں سے) امّی جان! اس بوتل میں کون سا تیل ہے؟

ماں: بٹیا، اِس بوتل میں تیل نہیں بلکہ گوند ہے۔

بٹیا: حیرانی سے: جبھی تو میری ٹوپی سر سے چپک گئی ہے ــــ مرسلہ: محمد خالد مسعود ناز، بلوخیل، میانوالی

★ ایک دن مُلّا نصیر الدین حکیم کے پاس گئے اور اس سے بولے، "ذرا میری نبض دیکھ لیجیے۔"

حکیم نے کہا، "یہ تو کھانے کا وقت ہے، دوپہر ہوگئی ہے، لہٰذا پہلے کھانا کھا لو۔"

مُلّا کھانے میں شریک ہوگئے اور جب فارغ ہوئے تو کہنے لگے، "واہ صاحب! آپ تو کمال کے حکیم ہیں، زبردست حکیم ہیں۔ میرے تمام گھر والے بھی اسی مرض میں مبتلا ہیں، میں اُنھیں ابھی لے کر آتا ہوں، ذرا اُن کا علاج بھی کر دیجیے۔"

مرسلہ: انوار احمد، کراچی

★ مالک (نوکر سے): تم کام نہیں جانتے تو زیادہ تنخواہ کیوں مانگتے ہو؟

نوکر: حضور! کام نہ جاننے کی وجہ سے مجھے زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے۔

مرسلہ: قمر زہرہ، کراچی

★ ایک دن شیخ چلی کا جُبّہ چھت پر سوکھنے کے لیے لٹکا ہوا تھا، اتفاق سے وہ نیچے گر پڑا۔ شیخ چلی نے جب یہ دیکھا تو وہ فوراً جائے نماز بچھا کر دو رکعت نمازِ شکرانہ ادا کی۔

بیوی نے پوچھا، "آپ تو کبھی نماز نہیں پڑھتے، پھر آج آپ نے کیوں نماز پڑھی؟"

شیخ چلی نے جواب دیا، "بات یہ ہے کہ اللہ نے ہمارے حال پر بڑا کرم کیا ہے۔" جبّے کی طرف اشارہ کرکے، "اگر اس کے ساتھ میں بھی ہوتا تو ہڈی پسلی ایک ہوجاتی۔"

مرسلہ: محمد افسر امام

★ (بیمار بیوی، میاں سے): ہائے اللہ، اُوئی اللہ میں تو مری جارہی ہوں۔

میاں: (بے دھیانی سے) تم مری ضرور جاؤ بیگم، وہاں جاکر یقیناً تم ٹھیک ہوجاؤگی۔

مرسلہ: عمر لوٹا ابن والی،

★ پاگل خانے کے باغ میں دو پاگل ٹہل رہے تھے، ان کی نظر ایک درخت پر پڑی جس میں آم لگے ہوئے تھے۔ ان کا جی چاہا کہ کاش وہ بھی آم ہوتے اور درخت پر لٹک رہے ہوتے۔ یہ خیال آتے ہی دونوں درخت پر چڑھ گئے اور اُلٹے لٹک گئے۔ تھوڑی دیر میں ایک پاگل کے ہاتھ سے ڈالی چھوٹ گئی اور وہ زمین پر آرہا۔ کچھ دیر تک تو دوسرے پاگل نے انتظار کیا، مگر جب کافی دیر تک وہ نہ اُٹھا تو اس نے پوچھا، "کیا تھک گئے ہو؟"

دوسرے پاگل نے جواب دیا، "نہیں میں پک کر گرگیا ہوں۔"

مرسلہ: فہمیدہ مومی، کراچی

★ ایک دفعہ دو گپّی گپ ہانک رہے تھے۔ ایک نے کہا، "ایک دفعہ میرے چچا کو ایک حادثہ پیش آیا، جس سے ان کا بہت سا خون نکل گیا، انھیں شیر کا خون دیا گیا۔ خون چڑھنے کے بعد جب اُنھیں ہوش آیا تو انھوں نے وہاں کی نرس کو پھاڑ کھایا۔"

دوسرے نے کہا، "کچھ اسی قسم کا واقعہ میرے ماموں کو بھی پیش آیا تھا۔ انھیں ہاتھی کا خون چڑھایا گیا تو انھوں نے ایک ڈاکٹر کو اپنی سونڈ میں اٹھا کر پٹخ دیا تھا۔"

مرسلہ: اعجاز کاظم نقوی، کراچی

ایک عورت نے مردوں کی جان بچائی

احمد خان خلیل

۱۳۴۷ء میں انگلستان کے بادشاہ ایڈورڈ سوم نے "کیلے" کو فتح کیا۔ کیلے رُودبار انگلستان کے پار فرانس کی ایک بندرگاہ ہے اور اب بھی موجود ہے۔ اس بادشاہ کے زمانے میں کئی فتوحات ہوئیں اور ایک بار طاعون پھیلا جس میں پچاس ہزار آدمی صرف لندن کے شہر میں لقمہ اجل بنے۔

کیلے کے لوگ بہترین ملاّح تھے اور ان کی بحریہ بڑی چاق و چوبند تھی۔ چناں چہ انھوں نے انگلستان کی بحریہ کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ اب جب کہ کیلے انگریزوں کے ہاتھ لگا تو ایڈورڈ نے چاہا کہ انھیں سخت سزا دی جائے۔ اس نے کیلے کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرے نے طول کھینچا۔ محصور لوگ فاقوں مرنے لگے۔ آخر تنگ آ کر ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہوئے۔ ایڈورڈ نے ان کی صلح کی درخواست سن کر حکم دیا کہ اگر کیلے کے لوگ اپنی جان کی خیر مناتے ہیں تو وہ چھے ممتاز شہریوں کو میرے پاس بھیجیں۔ ان کے سر اور پیر ننگے ہوں اور اُن کی گردنوں میں طوق پڑے ہوں۔ ان چھے آدمیوں کے ساتھ میں جیسا چاہوں گا سلوک کروں گا۔

یہ خبر جب کیلے پہنچی تو گھر گھر رونا پیٹنا مچ گیا۔ یہ ایسا منظر تھا کہ سنگ دل سے سنگ دل انسان کا دل بھی پسیج جاتا تھا۔ شہر کے ممتاز لوگ فیصلہ نہیں کر پاتے تھے کہ کیا کیا جائے۔ آخر ایک شخص آگے بڑھا۔ اُس نے سب کو مخاطب کر کے کہا،

"بزرگو اور دوستو! کیلے کے باشندے بھوکوں مر رہے ہیں۔ اب اِن کا دُکھ دیکھا نہیں جاتا میں پہلا آدمی ہوں جو اپنا نام اُن چھے آدمیوں میں شامل ہونے کے لیے پیش کرتا ہوں۔ آگے اللہ مالک ہے۔"

اُسے دیکھ کر تھوڑی ہی دیر میں پانچ آدمی اور تیار ہو گئے۔ یہ سب کے سب شہر کے معزز آدمی تھے، لیکن مجبوری ہیں کیا کچھ نہیں کرنا پڑتا۔ ننگے سر، ننگے پاؤں گلے میں طوق ڈالے ایڈورڈ کے ہاں پہنچے۔ بادشاہ نے دیکھتے ہی ان کا سر اُڑانے کا حکم دیا۔ درباریوں نے منت سماجت کی مگر

ایڈورڈ ٹس سے مس نہ ہوا۔ آخر اس کی ملکہ کو ترس آیا۔ وہ آگے بڑھی اور بڑے ادب سے اپنے خاوند یعنی بادشاہ سے ان لوگوں کی جاں بخشی کی سفارش کرنے لگی۔ ملکہ کی درد بھری اپیل کو سن کر بادشاہ متاثر ہوا اور اُس نے ان چھے ممتاز شہریوں کی جاں بخشی کر دی۔

جرنیل نے خود نمونہ پیش کیا

ایک جنگ میں کوچ کے وقت ایک انگریز جرنیل فیرفیکس (۱۶۱۲-۱۶۷۱) نے حکم دیا کہ ہر رجمنٹ باری باری رئیر گارڈ (آخری دستے) کے فرائض انجام دے گی۔ اس لشکر میں اس کی اپنی رجمنٹ بھی شامل تھی جس میں اس نے ایک زندگی گزاری تھی اور اسی سے ترقی پا کر وہ جرنیل بن گیا تھا۔ چناں چہ رجمنٹ کے لیے یہ بات قابلِ فخر تھی کہ اس کا ایک افسر جرنیل اور اسی لشکر کا کمانڈر ہے جس میں وہ رجمنٹ بھی شامل تھی، لیکن اس حکم کا دوسرا پہلو یہ تھا کہ آج سے تین سو سال پہلے سڑکیں کچی ہوتی تھیں۔ ہزاروں آدمی اور گھوڑے جس راستے سے بھی گزرتے وہاں گرد و غبار سے فضا اَٹ جاتی۔ لشکر کے آخر میں کوچ کرنے والی رجمنٹ کا تو دُھول سے بُرا حال ہو جاتا۔ چہرے خاک آلود اور وردی گندی ہو جاتی تھی۔ اس کی رجمنٹ نے درخواست کی کہ جرنیل کو اپنی رجمنٹ کا ضرور لحاظ کرنا چاہیے۔ جرنیل فیرفیکس کے سامنے یہ بڑا مشکل مسئلہ تھا۔ ایک طرف اس کی اپنی رجمنٹ کی خاطر داری کا خیال اور دوسری طرف انصاف کا تقاضا کہ سب سے یکساں سلوک ہو۔

چناں اس نے فیصلہ کیا کہ وہ خود اپنی رجمنٹ کے آگے آگے پیدل چلے گا۔ ایک جرنیل کو گرد و غبار میں پیدل چلتے دیکھ کر کون نہ چلتا۔ پورا فاصلہ جرنیل نے رجمنٹ کے آگے چل کر طے کیا۔ اس طرح اُس نے سپاہیوں کے سامنے انصاف اور نظم و ضبط کا ایک عمدہ عملی نمونہ پیش کیا۔

صحت مند نونہال

زاہد حمید - کراچی

انیلا عبدالعزیز۔ حیدرآباد

محمد نجیب - کراچی

بے بی انیلا قمر، کراچی

دانش الطاف - لاہور

ذوالفقار علی شالوانی حیدرآباد

فیصل ناصر۔ حیدرآباد

صفیر احمد صدیقی

فرحت محمود صدیقی ۔ کراچی

عمران حفیظ اللہ

محمد انیس شہزاد، سیال کوٹ

ملک طاہر اعوان، پشاور

محمد زبیر محمد ہارون کاپڑیا ۔ کراچی

ندیم احمد خان ۔ لاڑکانہ

خالد احمد ضیاء

سید راشد حسین جیلانی ۔ حیدرآباد

غلام قادر میمن، شہداد پور، سندھ

صلاح الدین احمد کامران، کراچی

سید طاہر علی، کراچی

محمد اسلم خان، شکارپور

محمد علی، نوشہرہ

سید ذوالفقار حسن، لاہور

فرحت عباس ہاشمی، ساہیوال

ضمیر احمد، لاہور

عبدالمجید، تحصیل میلسی، ضلع وہاڑی

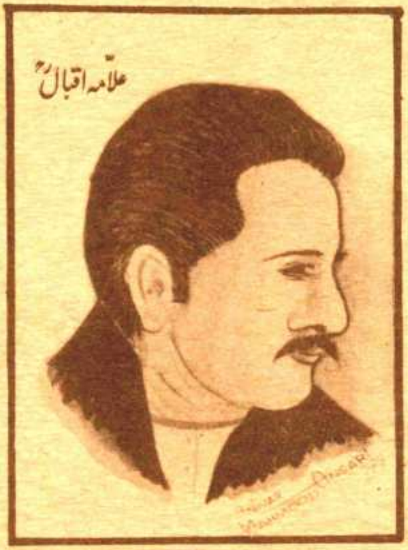

آنور محمود انصاری ــــ کراچی

نونہال مصوّر

کالی اور پکی روشنائی سے بنائی ہوئی تصویریں شائع کی جاتی ہیں۔ پنسل اور کچے رنگوں کی بنی ہوئی تصویریں شائع نہیں کی جاتیں۔

محمّد آصف آرائیں۔میرپور خاص

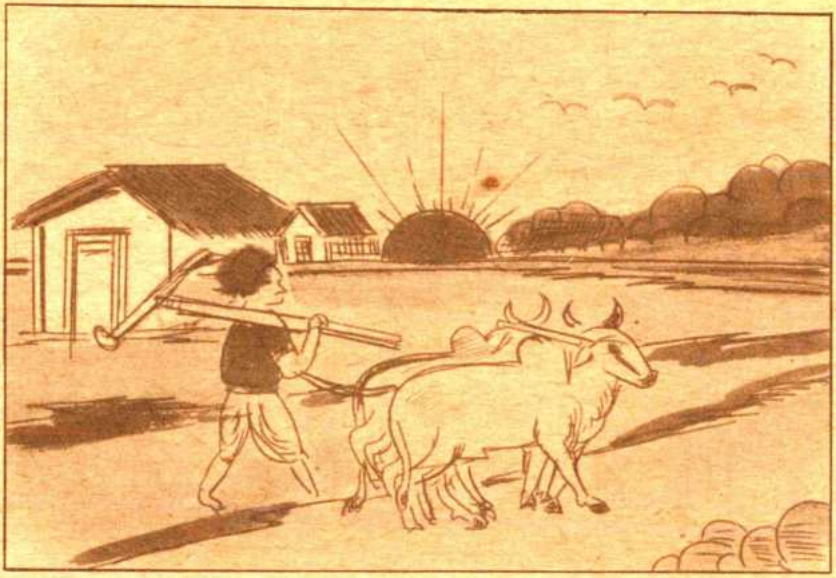

فرحت محمود صدیقی ۔ کراچی

قرۃ العین ہما ـــــــــ سکھر

سلسلہ نمبر ۱۳۴

معلوماتِ عامہ

مرتبہ: کھتری عصمت علی پٹیل

نیچے لکھے ہوئے سوالات کے جوابات ۲۰ جون ۱۹۷۷ء تک ہمیں بھیج دیجیے اور ان پر معلوماتِ عامہ نمبر ۱۳۴ ضرور لکھ دیجیے۔ جوابات ایک کاغذ پر نمبروار لکھیے اور آخر میں اپنا نام اور پتا بھی لکھیے۔ تصویر کے پیچھے اپنا نام اور اپنے شہر یا قصبے کا نام ضرور لکھیے۔

۱۔ بتلائیے مشہور دینی کتاب "تقویۃ الایمان" کس کی تصنیف ہے؟

(ا) شاہ ولی اللہؒ (ب) مولانا اشرف علی تھانویؒ (ج) شاہ اسمٰعیل شہیدؒ۔

۲۔ نیچے لکھے ہوئے ناموں میں سے اقوامِ متحدہ کے پہلے سکریٹری جنرل کا نام چن کر لکھیے۔

(ا) ڈاگ ہیمر شیلڈ (ب) او تھانٹ (ج) ٹرگ وی لی۔

۳۔ بتائیے مارکا کس ملک کا سکہ ہے؟ (ا) پولینڈ (ب) نیوزی لینڈ (ج) فن لینڈ

۴۔ عالمی ادارہ صحت (WORLD HEALTH ORGANIZATION) کا ہیڈ کوارٹر کہاں واقع ہے؟

(ا) پیرس (فرانس) (ب) جنیوا (سوئٹزرلینڈ) (ج) ہیگ (ہالینڈ)۔

۵۔ سورج کی شعاعوں سے کون سی وٹامن حاصل کی جاتی ہے؟ (ا) وٹامن ڈی (ب) وٹامن سی (ج) وٹامن اے۔

۶۔ انسانی زبان کون سے چار قسم کے ذائقے چکھ سکتی ہے؟

۷۔ کسی چیز کو پانی میں تولنے سے وزن میں کیا فرق پڑے گا؟

(ا) گھٹ جائے گا (ب) بڑھ جائے گا (ج) برابر رہے گا۔

۸۔ افریقہ کا سب سے اونچا پہاڑ کون سا ہے؟

(ا) ماؤنٹ کینیا (ب) کلی منجارو۔

۹۔ ارجنٹائن کے دارالحکومت کا نام بتایئے۔

(ا) بیونس آئرس (ب) صوفیہ (ج) وارسا

۱۰۔ رقبے کے لحاظ سے ایشیا کا سب سے چھوٹا ملک کون سا ہے؟

(ا) سنگاپور (ب) بحرین (ج) مسقط

شامِ ہمدرد

راولپنڈی، ۵- اپریل ۱۹۷۷ء

موضوع

علّامہ اقبال کا پسندیدہ معاشرہ

اقبال کے ذہنِ رَسا نے اس برِ صغیر کے مسلمانوں کے اقبال کو چار چاند لگائے..... زبان و بیان کی پُرانی اصطلاحوں کو نئے معنی بخشے اور نئے خیالات کے اظہار کے لیے نئی نئی اصطلاحات وضع کیں اور یوں اُردو کے بکھرے ہوئے گیسوئے نیم دراز کی مشاطگی کی اور اُنھیں وسعت و گہرائی عطا کی ــــــ بریگیڈیر گلزار احمد

پروفیسر احسان اکبر　　بریگیڈیر گلزار احمد　　پروفیسر رحیم بخش شاہین

اس شمارے کے مشکل الفاظ

خُوشنُودی۔ رضامندی، خوشی۔	اَورنگ۔ شاہی تخت، ایک پھول
چاپلُوسی۔ خوشامد، بے جا تعریف کرنا۔	انیلا۔ نادان، بھولا۔
گوش گزار کرنا۔ اطلاع دینا۔	پارچہ۔ ٹکڑا، کپڑا۔
حَیثیت۔ حقیقت، لیاقت، عزت۔	پیوستہ۔ ملا ہوا۔
حَرکات وسکنات۔ طور طریقے، چال ڈھال۔	پیکر۔ جسم، نمونہ۔
شائستہ۔ مہذب، سلیقہ مند۔	ڈھکوسلہ۔ جھوٹی بات۔
شُستہ۔ صاف، سلیس، دھویا ہوا۔	ذُرّیت۔ اولاد، نسل۔
ملحوظ رکھنا۔ پاس رکھنا، لحاظ رکھنا۔	قِرطاس۔ کاغذ۔
اُنسیت۔ محبت، لگاؤ۔	اَبیَض۔ سفید۔
سَبقت۔ پہل کرنا، آگے بڑھنا۔	قَرنا۔ بڑا بگل، سینگ کا بگل۔
مَعیُوب۔ بُرا، عیب والا	قَرولی۔ ایک قسم کی چھُری۔
ناگُزیر۔ لازمی، جو ٹالا نہ جا سکے۔	فَرجام۔ انجام۔
نَخوَت۔ غرور، گھمنڈ۔	فَرُخ۔ مُبارک، خوش و خُرّم۔
جَلیلُ القدر۔ بڑے مرتبے والا۔	فِراست۔ دانائی، فہم وشعور۔
کارِندَہ۔ کارکُن، گماشتہ۔	عَسَل۔ شہد۔
کارپَرداز۔ کام کرنے والا، منتظم۔	عَسکری۔ فوج، سپاہی۔
بازپُرس۔ جواب طلب کرنا، پوچھ گچھ۔	عَشَرہ۔ دس دن۔
تاب۔ چمک، طاقت۔	عَنقا۔ ایک فرضی پرندہ۔ نادر، نایاب
اسمِ بامُسمّی صفات کے مطابق نام	گیہاں۔ زمانہ، دُنیا۔
اوک۔ چُلّو، گھر، جھونپڑا۔	لابھ۔ لالچ، فائدہ۔

بزمِ نونہال

نونہال ایک عرصے سے زیرِ مطالعہ ہے۔ میں نے اسے ہمیشہ دوسرے رسالوں سے بڑھ کر پایا۔ عبدالسمیع بلوچ نے نظم "مٹو میاں" اردو کی دوسری کتاب سے نقل کی ہے۔

(ظہیرالدین حیدرآباد)

یہ رسالہ ہمیں بہت پسند ہے۔ خدا اسے اور ترقی دے۔

(محمد شفیق اور ان کے ساتھی، سیالکوٹ)

اتنا اچھا رسالہ شائع کرنے پر مبارک باد قبول کیجیے۔

(عامر حسن سنگھوری۔ راولپنڈی)

نونہال کے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ شہر کی ہر دکان پر اسے تلاش کرتا پھرا۔ آخر ایک کتب فروش کے ہاں مل گیا۔ اسے پاکر خوشی کی انتہا نہ رہی۔ (ظفر اقبال، پشاور)

مجھے خوشی ہے کہ آپ نے نونہال کی قیمت بڑھا کر اس کے رتبے کو بھی سب سے بڑھا دیا ہے۔ (راشد حسین، کراچی)

معلوماتِ عامہ، جاگو جگاؤ، جارج ایلیٹ کی کہانی اور نظم رنگین ٹی وی بہت پسند آئی۔ (شاہد مسعود صدیقی، حیدرآباد)

نونہال میرا رسالہ ہے۔ پچھلے صفحے پر ملک ملک کے بچوں کی تصاویر شائع کیا کیجیے۔ (نجمہ نور۔ حیدرآباد)

نونہال اور چاند میں صرف اتنا فرق ہے کہ چاند اپنی پوری رعنائیوں کے ساتھ ۱۴ویں رات کو چمکتا ہے اور نونہال صرف ۵-٦ تاریخ کو دلوں میں سماتا ہے۔

(مرزا تصور عالم۔ کراچی)

اپریل کا نونہال بہت پسند آیا۔ "نونہال ادب" میں، کہانی "ہم نے فلم دیکھی" بہت اچھی تھی۔ لطیفے نقل شدہ تھے۔ (خالدہ نسرین، ملتان)

"جاگو جگاؤ" ہمیشہ کی طرح سبق آموز تھا۔ کہانیوں میں، سزا، جلالو خاں، ڈاکو کا ساتھی، ایک ادیب، ایک انسان بہت پسند آئیں۔ (سہیل رضا اور بہت سے ساتھی، کراچی)

نونہال کے ذریعے سے آپ بڑی خدمت کر رہے ہیں۔

(سید ارشاد علی، کراچی)

تمام مضامین بہترین تھے۔ (اکرام الدین، کراچی)

نونہال کا سرورق جی کو بھا گیا۔ ہر ماہ کسی مضمون نگار کے حالاتِ زندگی شائع کیجیے۔ تمام کہانیاں بے حد مزے دار تھیں۔ "اولمپک کھیل" اچھا معلوماتی مضمون تھا۔ (اعظم جبال، لائل پور)

ٹائیٹل سمیت پورا رسالہ ہر لحاظ سے اچھا تھا۔

(راشد فاروق الحق، ملتان)

آپ اور آپ کا ادارہ جس انداز میں پاکستانی ذہنوں کو روشنی عطا کر رہا ہے، اس کی تعریف نہ کرنا زیادتی ہوگی۔

(سید محمود حسنین رضوی، کراچی)

تمام مضامین معیاری تھے، آپ مبارک باد کے مستحق ہیں۔ (محمد فرخ گلزار، چنیوٹ)

تمام مضامین اور نظمیں معیاری تھیں۔

(شوکت علی بلوچ، کراچی)

اپریل کا رسالہ اپنی مثال آپ تھا۔

(سید کامران رضوی، کراچی)

پہلی بار نونہال پڑھ کر میں نے ہمیشہ اسے خریدنے کا عہد کر لیا ہے۔ (یونس خان، ملتان)

سرورق کی تصویر میں بچے کے ہاتھ میں شکار کی ہوئی چڑیا دیکھ کر افسوس ہوا۔ اس سے بچے بُرا اثر لیں گے۔

(آفتاب احمد خان، کراچی)

اپریل کا نونہال پڑھ کر دلی مسرت ہوئی۔ سزا، ڈاکو کا ساتھی اور نونہال ادیب بہت پسند آئے۔ (خالد سعید، سیال کوٹ)

اپریل کا ٹائٹل بہت پیارا تھا۔ اسے میں نے اپنے البم کی زینت بنالیا ہے۔ (صابرہ یاسمین، کراچی)

نونہال پڑھ کر دل باغ باغ ہوگیا۔ (تسنیم کوثر، کراچی)

نونہال بچوں کا سب سے اچھا رسالہ ہے۔ تمام مضامین بے حد پسند آئے۔ (غلام قادر میمن، شہداد پور)

خدا اس رسالے کی عمر دراز کرے اور نظر بد سے بچائے۔
(امین، حافظ آباد)

ٹائٹل بہت پسند آیا۔ نونہال تو ہمیشہ ہی سے بہترین رسالہ ہے۔ (شاہدہ سنجرانی، سکھر)

"ٹک ٹک ٹک ٹک" کی آواز سن کر ہم بیدار ہو گئے۔ ناشتا کر کے 'اخبار نونہال' میں پڑھا کہ 'ڈاکو کا ساتھی' جلالو خاں شاہی جوتے 'لے کر فرار ہوگیا۔ اس کو ایک دل چسپ 'سزا' سنائی گئی ہے کہ وہ ۵۰ من وزنی کتاب ایک دفعہ میں لکھے۔ خیر 'اقبال' کے شعر گنگناتے ہوئے 'رنگین ٹی وی' آن کیا اور 'ایک ادیب ایک انسان' جارج ایلیٹ کی کہانی 'سائیلس مارنر' دیکھی۔ اس کے بعد "اولمپک کھیل" کا افتتاحی جلسہ دیکھا۔ جب رنگین غبارے چھوڑے گئے تو یوں معلوم ہوا جیسے کوئی صحت مند نونہال، رنگ برنگی پھل جھڑیاں چھوڑ رہا ہو۔ اس کے بعد ٹی وی بند کر کے ہم ہمدرد نونہال پڑھ کر بزم نونہال کے لیے خط لکھنے بیٹھ گئے۔
(صفدر قیوم اور غضنفر قیوم لودھی، کراچی)

اپریل کا شمارہ بہت خوب صورت تھا۔ البتہ نظم "مٹو میاں" نقل شدہ تھی۔ (صبوحی زینب، کراچی)

اپریل کا نونہال بہت خوب صورت تھا۔ "جاگو جگاؤ" سبق آموز تھا۔ ایک ادیب ایک انسان، معلوماتی اور بہت اچھا تھا۔ (سمیع اللہ کاہلوں، کراچی)

میرا ایک بہت اچھا نثر نگار (ہمدرد نونہال) جو پاکستان کے ہر حصے میں رہتا ہے اس دفعہ بڑی دیر سے بازار میں آیا۔ اس کی ہر چیز قابلِ تعریف ہے۔ (ایم سلیم ناشاد، ساہیوال)

ہر مضمون پسند آیا۔ سائیلس مارنر کا سلسلہ سب سے اچھا ہے۔ (سہیل غزالہ اور فیصل، کراچی)

میں صرف نونہال کو دل و جان سے پسند کرتی ہوں۔ کیا آپ اس کا سالنامہ شائع نہیں کرتے؟
(شائستہ فاروقی، کراچی)

پسند کرنے کا شکریہ، ہماری کوشش ہوتی ہے کہ نونہال کا ہر شمارہ سالنامے جیسا ہو۔

نونہال میں مضامین کی اشاعت کا کیا طریقہ ہے؟
(طلعت صدیقی، کراچی)

یہ سوال بہت سے نونہالوں نے کیا ہے۔ ڈاک کے ذریعے مضامین وغیرہ بھیج دیجیے۔ معیاری ہونے کی صورت میں نمبر آنے پر شائع کر دیے جائیں گے۔

حسین پھولوں اور بھینی خوشبوؤں والا گل دستہ ملا۔ بے حد پسند آیا۔ کوئی پھول مسکرا رہا تھا، کوئی نصیحت کر رہا تھا، کوئی نظم سنا رہا تھا اور کوئی کہانیاں، غرض ہر پھول نے از حد متاثر کیا مگر ان سب میں دل کش پھول کا اسمِ گرامی "جاگو جگاؤ" تھا۔ یہ مجھے کام کی باتیں بتا رہا تھا، نصیحت کر رہا تھا۔ یہ سب میں ممتاز تھا۔ اس کے بعد ایک اور حسین پھول کو دیکھ کر میں متحیر رہ گیا۔ اس کا نام "انسائیکلو پیڈیا" تھا۔ یہ پھول سے زیادہ علم کا خزانہ لگ رہا تھا۔ اس کے بعد ہنستے مسکراتے پھول "رنگ برنگی پھل جھڑیاں" سے ملا۔ خبریں سناتے ہوئے "اخبارِ نونہال"

سے ملاقات ہوئی۔ بعد میں نظموں کے گنگناتے پھولوں نے دل بہلایا۔ پھر اتنا پیارا، اتنا حسین، دل کش، دل فریب گلدستہ بنانے والے گل چیں کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لیے قلم اٹھانا ہی پڑا۔

(سید تنویر مہدی رضوی، خیر پور (میرس)

نونہال ملک کے نونہالوں کے علاوہ نوجوانوں کی ذہنی، علمی، اخلاقی اور ادبی صلاحیتوں کی جِلا کا کام انجام دے رہا ہے۔

(شاہین منظورہ کراچی)

نونہال کا نام بدل کر "علم کا خزانہ" رکھنا مناسب ہوگا۔ رسالہ میں کرکٹ کے بارے میں بھی کوئی مضمون شائع کیجیے۔

(معین عالم خان، حیدر آباد)

نونہال گھر لاکر ایک ہی وقت میں پڑھ لیا۔ رسالے میں مختلف دھاتوں کے بارے میں معلومات بھی شائع کیجیے۔

(عبدالرب، کراچی)

نونہال کے چند صفحات عربی سکھانے کے لیے وقف کیے جائیں۔ (غلام حسین سومرو اور ساتھی، مٹھڑی، بلوچستان)

ہم کوشش کریں گے کہ آپ کی تجویز پر عمل کریں۔

اپریل کا نونہال بہت اچھا لگا۔ جاگو جگاؤ، ڈاکو کا ساتھی، ایک ادیب ایک انسان، جلالو خان اور دوسری کہانیاں قابلِ تعریف تھیں۔ لطیفے کوئی خاص نہیں تھے۔

(یاسمین کاظم، اسلام آباد)

نونہال بچوں کی ذہنی نشوو نما میں ماں کا کردار ادا کر رہا ہے۔ (راؤ اسماعیل ابراہیم، کراچی)

آنکھ کھلی تو بھائی اور باجی کو کچھ پڑھتے سنا۔ دیکھا تو میرا نونہال آگیا تھا۔ پورا پڑھ کر ہی ناشتہ کیا۔

(شہزاد سلیم، کراچی)

یہ رسالہ جتنا اچھا ہے اتنا ہی خراب ہے۔ خراب اس لیے کہ اس میں سب کچھ آپ کے عزیزوں ہی کا لکھا ہوتا ہے۔

(عارف رحیم، کراچی)

ظاہر ہے آپ کی طرح سب نونہال ہمیں عزیز ہیں۔ ان کے رسالے میں ان ہی کی تحریریں چھپیں گی۔

مجھے خیال کے پھول زیادہ پسند ہیں۔ تمام کہانیاں موزوں تھیں۔ "ڈاکو کا ساتھی" بہت دل چسپ کہانی تھی۔

(ساجدا جمل بھٹہ، مظفر گڑھ)

نونہال کے لیے ہمارے دل سے ہمیشہ دُعا نکلے گی۔

(ندیم بادی، کراچی)

تُو (نونہال) ہمیشہ جگمگاتے اور تیرے پرستاروں میں اسی طرح اضافہ ہوتا رہے۔ (سید یاور عباس کاظم، کراچی)

نونہال کا معیار گِرتا جارہا ہے۔ کاغذ گندے سے گندا ہوتا جارہا ہے۔ (نصرت علی، کراچی)

نونہال رنگ برنگی شمع ہے۔ ہر رنگ نے پڑھنے والوں کے دل موہ لیے ہیں۔ (محمد جاوید بادشاہ، کراچی)

شہزادیوں اور پریوں کی کہانیوں کا سلسلہ موقوف کیا جائے۔ عنوان دے کر بچوں سے کہانیاں لکھوائی جائیں اور بہترین کہانی پر کتاب انعام میں دی جائے۔ رسالے میں قسط وار کہانیاں شائع کی جائیں۔ اس سے مقبولیت بڑھے گی۔ حسبِ سابق کسی ایک پھل یا ترکاری کے فوائد شائع کرنے کا سلسلہ دوبارہ جاری کیا جائے۔ (منیر شوکت حسین، کراچی)

پہلی مرتبہ نونہال پڑھا۔ ایک ہی وقت میں سارا رسالہ پڑھ ڈالا۔ یہ ملک کا بہترین رسالہ ہے۔ نونہال ادیب میں "ہم نے فلم دیکھی"، "سائنس مارز"، "سزا" اور "ڈاکو کا ساتھی" بے پسند آئے۔ (محمد کلیم احمد صدیقی، کراچی)

نونہال تمام رسالوں (بچوں کے) کا بادشاہ ہے۔

(محمد اویس شاداب، کراچی)

ہمارے کاشانہ بہار کا یہ جھکتا ہوا گل دستہ (نونہال) مسحور کُن خوشبوؤں اور رعنائیوں کے ساتھ ہمیشہ جلوہ گر رہے۔

(انور جبین کراچی)

نونہال بہت پسند آیا۔ سائنس مارچ، ہلک ہلک، ڈاکو کا ساتھی، ایک ادیب ایک انسان اور "اولمپک کھیل" بہت پسند آئے۔ (محمد ارشد، کراچی)

نونہالوں کی دلچسپی اور خطوط کی تعداد بڑھتی جارہی ہے، اس لیے جن نونہالوں کے خطوط شائع نہیں ہوسکے ان میں سے چند کے صرف نام لکھے جارہے ہیں۔

کراچی : محمد آفتاب عمر، افضل حسین، سید سہیل قادری، طلعت عزیز، مسرت عزیز، جاوید رحمت، انور محمود انصاری، شکیل احمد عمران شاہ، فرحانہ زیدی، نذیر احمد مہر، سراج الدین نظامی، ناصر مجید، عبدالصمد غلام حسین بلوچ، نعیم الدین، ریحانہ جمیل، محمد مختار، محمد کامران، کامران عزیز، نعیم اختر، نائلہ یاسمین، غزالہ یاسمین، محمد ہمایوں ملک، محمد راشد، حنا خیری، شاہد لطیف، سید افتخار حسین نقوی، خالد مقبول، فرزانہ، فرخ، لبنٰی، رخسانہ، عرفانہ، فرینہ، عاصم جمال، سیمیں ارم، سعدیہ عنبرین، افروز جہاں، اس اسماعیل، شعیب فاروقی، شیخ محمد افضل خالد محمد سلیم طاہر، نعمان احمد، شگفتہ، احتشام، عارف احمد خان، صوفیہ احمد خان، عرفان احمد خان، حفیظ مستور، محمد شمس تبریز، علی رضا خان، محمد فضل محمود، صائمہ صدف، نازنین پروین، ناز عمر، منصور عالم حسینی، طیبہ حسینی، فوزیہ شریف، جبین مقبول، سمیرا حفیظ، شاکر، یزدانہ خالد، حبیب عالم، ایم ایہ جعفر، احمد مسعود، محمد عثمان تلو، آمنہ عصمت، گوہر خورشید، وسیم، زیبا فصیح،

اسلام آباد و راول پنڈی

رعنا یوسف، سید وسیم علی، محمد ادریس، شاہد حسنین، محمد شاہد، عمران عباس نعمتی ایرانی، کامران عباس نعمتی ایرانی، محبوب زماں قریشی اور شاہد ضمیر۔

پشاور :۔ ثمینہ ناز، فوزیہ شاہین۔

نوشہرہ :۔ محمد الطاف الرحمان، عارفہ صدیقی، عاتکہ صدیقی، محمد قاسم جان، چارسدّہ۔ گوہر جمال زروبی، مردان۔ حافظ مظفر محسن، راحیلہ الیاس، لاہور۔ سیال کوٹ :۔ جمیل الرحمان طاہر، عامرہ خانم۔ لائل پور: راؤ طاہر عزیز، فخرالدین، سیدہ تسنیم شیخ۔ قلعہ سوبھا **سنگھ**: جاوید اقبال دائم۔ عبدالجواد۔ میرپور (آزاد کشمیر): طالب حسین، طارق جاوید۔ رحیم یار خان: محمد ادریس، محمد تنویر افتخار، محمد جاوید اقبال کامران، ملک عبدالجبار، محمد ارشد عباس، دائرہ دین پناہ: عرفان احمد۔ منچن آباد: آنسہ شفق رحمٰن، کنول رحمٰن، خالد رحمان اور طارق رحمان۔ حافظ آباد: تسنیم کوثر زاہد۔ ہارون آباد: محمد جاوید۔ بورے والا: خالد پرویز شمس۔ پنڈی گھیب: آصف اقبال۔ سرگودھا: عندلیب کوثر۔ کلور کوٹ: ملک خضر حیات۔ پتن وال: سعید احمد رضا۔ عارف وال: سید عمران رضا۔ میانوالی: الطاف قادر۔ ملتان: محمد شہاب عالم۔ حیدرآباد: محمد عارف، ذوالفقار علی شالوانی، شہناز عباسی، افتخار علی شالوانی، نغمہ رفعت، ساجد رزاق، شان رضا، عبدالواحد۔

میرپور خاص: محمد ضمیر، علی محمد شہاب، عبداللہ صادق اور بھائی بہن، خالد سراج اشرفی۔ شکارپور: سید عرفان زیدی۔ نواب شاہ: محمد اقبال غوری۔ خیرپور میرس: النصر منہاس۔ ٹنڈو الہ یار: محمد ابراہیم، ناصر علی۔ سکھر: ریاضت علی رضوی، شاذیہ شاد، کنور اشرف علی۔ پسنی (مکران): عزیز الرحمٰن عامر بلوچ۔ خضدار: عبدالرزاق سنجرانی، سوا خان، خضدار۔ منڈی: غلام حسین سومرو۔ گڑھی یاسین: محمد خالد آرائیں۔ ملک وال: فاروق انجم ساجی۔ روہڑی: امتیاز حسین۔ جڑانوالہ: خواجہ ضیاء اللہ۔ ڈگری: احمد علی رانا۔

نونہال ادیب

حمد

ندیم سہیل، راولپنڈی

میرے مولا میرے داتا
ہر اک کا ہے تجھ سے ناتا
ساری دُنیا تو نے بنائی
پھُولوں اور پھلوں سے سجائی
جنگل اور پہاڑ بنائے
باغوں میں پھل پھول لگائے
تو نے ہی انسان بنائے
تو نے ہی حیوان بنائے
علم سکھانے والا تُو ہے
عقل بڑھانے والا تو ہے
ہم کو سیدھی راہ دکھا دے
نیک بنا دے ایک بنا دے
ہم محتاجوں کے کام آئیں
بھٹکے ہوؤں کو راہ دکھا دے

نعت

ناصر شکیل قاضی، سکھر

آپؐ ہیں نبیوں کے سلطان
آپؐ کی سب سے اونچی شان
حق نے فضیلت آپؐ کو بخشی
آپؐ پہ اُترا ہے قرآن
آپؐ نے حق کی راہ دکھائی
آپؐ کے سب پہ ہیں احسان
بے شک سچے آپؐ نبی ہیں
میرا ہے اس بات پہ ایمان
ناصر دیکھوں آپؐ کا روضہ
دل کا میرے ہے ارمان

دین کا سرمایہ

(حدیث کی روشنی میں)

عابدہ حبیب علی، تہران

دین اچھے کاموں اور اچھے اخلاق کا مجموعہ ہے۔ (حدیث)

تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جن کے اخلاق بہت اچھے ہیں۔ (بخاری مسلم)

(رسولِ پاک نے فرمایا) میں اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ شریفانہ اخلاق کی تکمیل کروں۔ (بخاری مسلم)

مسلمانوں کے ساتھ حُسنِ ظن رکھنا اچھی عبادت ہے۔ (ابو داؤد)

نماز وقت پر ادا کرنا، والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنا اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ یہ بہترین اعمال ہیں۔ (حضرت ابنِ مسعودؓ)

سچا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں اور سچا مہاجر وہ ہے جو خدا کی منع کی ہوئی چیزیں چھوڑ دے۔ (مفہوم)

بے شک دو چیزیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کو بے حد پسند ہیں:

ایک بُردباری دوسری انکساری (مفہوم)

دو چیزیں ایسی ہیں جو کسی ایمان دار میں جمع نہیں ہوسکتیں۔

ایک بخل اور دوسرے بداخلاقی۔ (مفہوم)

جو چاہتا ہے کہ اس کا رزق بڑھے اور موت دیر میں آئے تو اس کو اپنے رشتے داروں سے اچھا سلوک کرنا چاہیے۔ (صحیحین)

جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں (بخاری)

جن لوگوں میں خیانت کی عادت ہو جاتی ہے ان کے دلوں میں خوف و رعب پیدا ہو جاتا ہے۔

جو لوگ ناپ تول میں کمی کرتے ہیں ان کا رزق کم ہو جاتا ہے۔

جو لوگ عہد شکنی کرتے ہیں ان پر دشمن مُسلط کر دیا جاتا ہے۔

جو لوگ ناجائز فیصلے کرتے ہیں اُن میں خوُن ریزی پھیل جاتی ہے۔ (موطا امام مالک)

پچھتاوا

فوزانہ تبسم ملک، حیدرآباد

دسمبر کی ایک سرد دوپہر تھی۔ عمران اپنی خالہ کے گھر سے لوٹ رہا تھا۔ اس کی خالہ کا گھر ان کے گھر سے تھوڑے فاصلے پر گنجان علاقے میں تھا۔ راستے میں شام ہونے لگی اور سردی بھی بڑھنے لگی۔ عمران نے اپنے سُرخ کوٹ کے بٹن بند کر لیے اور مفلر اپنے کانوں کے گرد اچھی طرح لپیٹ لیا۔ اسے سامنے والی مسجد کا ہرا گنبد نظر آرہا تھا۔ اُسے اطمینان ہو گیا کہ اب اس کا گھر قریب ہے۔ مسجد کے باہر ایک بڑا کمپاؤنڈ تھا اور اُس کے آس پاس گھنی جھاڑیوں کی باڑ لگی تھی۔ مسجد کے قریب پانی کا ایک جھرنا تھا جس سے پیاس بجھانے

کے لیے چھوٹے بڑے جانور آتے تھے۔ ابھی وہ باڑ کے پاس چرنے کے قریب پہنچا ہی تھا کہ ایک ننھے منے سفید ریچھ کے بچے کو دیکھ کر رک گیا۔ اُسے یہ ریچھ کا بچہ بہت اچھا لگا۔ بالکل اپنے کتے ٹائیگر کی طرح۔ اس نے بڑھ کر ریچھ کے بچے کو پکڑ لیا۔ اپنا مفلر اتار کر اس کے گلے میں لپیٹ دیا اور خوشی خوشی اس ریچھ کے بچے کو گھر لے آیا۔ عمران کے امی ابا اس بات سے خوش نہ ہوئے۔ پہلے تو انھوں نے عمران سے اسے چھوڑ دینے کو کہا، لیکن بعد میں عمران کی ضد پر اسے پالنے کی اجازت دے دی۔ عمران بہت خوش ہوا اور اس نے ریچھ کے بچے کا نام جمی رکھا۔ عمران روزانہ اسے اسکول لے جانے لگا۔ پہلے پہل تو اس کے دوست جمی سے ڈر کر بھاگے مگر بعد میں عمران نے جمی سے ان کی دوستی کرا دی۔ ان کا خوف جاتا رہا اور وہ جمی کے دوست بن گئے۔ اسکول کے بچے روزانہ اپنا ناشتہ ساتھ لاتے اور ٹفن بکس اپنے کھانے کے کمرے میں رکھ دیتے اور دوپہر کو وہیں جا کر کھاتے۔ جب وہ کھانا کھا چکتے تو کچھ کھانا بچا کر جمی کے لیے رکھ رکھ دیتے۔ ان کے جانے کے بعد جمی کھانے کے کمرے میں جاتا اور ہر ایک ٹفن بکس کھول کر اس میں سے اپنے حصے کا کھانا نکال کر کھاتا۔ پھر چھٹی ہونے تک گیٹ کے پاس بیٹھ کر عمران کا انتظار کرتا۔ اگر کسی دن عمران اسکول نہ جاتا تو جمی اس کی چھٹی کی درخواست لے کر اسکول پہنچ جاتا اور اس کے دوست سمجھ جاتے کہ آج عمران اسکول نہیں آئے گا۔

ایک دن اچانک جمی کو کہیں سے اس جیسا ایک ریچھ مل گیا۔ وہ دونوں مل کر ایسے گئے کہ پھر کبھی لوٹ کر نہ آئے۔ عمران اور اس کے ساتھیوں کو بہت رنج ہوا، مگر آہستہ آہستہ وہ اس بات کو بھول گئے

کئی سال بیت گئے، اسکول میں بہت ساری تبدیلیاں آگئیں۔ نئی استانیاں، نئی ہیڈ مسٹریس اور نئے بچے۔ پرانے بچے پڑھ لکھ کر بڑے ہو گئے اور اب ان کے بچے بھی اپنے والدین کی طرح ٹفن بکس کھانے کے کمرے میں رکھ دیا کرتے تھے۔ ایک دن ایک بچہ پڑھائی کے دوران اٹھ کر پانی پینے کے لیے کھانے کے کمرے میں گیا تو وہاں ایک لمبے تڑنگے قوی ہیکل ریچھ کو دیکھ کر اس کی چیخ نکل گئی۔ اس کی چیخ سن کر استانیاں اپنے کمروں سے باہر نکل آئیں اور بچے بھی باہر نکل آئے اور جب انھوں نے ریچھ کو دیکھا تو وہ بھی خوف سے چلانے لگے۔ اتنے غل غپاڑے کے باوجود ریچھ آرام سے اپنے کام میں مصروف تھا۔ وہ ایک کے بعد دوسرا ٹفن کھول کر کھانا کھاتا رہا۔ بچے بے چارے خوف کے مارے کانپ رہے تھے۔ چوکی دار اور نوکر اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کریں؟ یکایک ہیڈ مسٹریس نے ایک بچے بنکی کو بلا کر کہا کہ بھاگ کر جاؤ اور اپنے باپ کو بلا لاؤ۔ انھیں سارا واقعہ بتا دینا تاکہ وہ اپنی بندوق ساتھ لیتے آئیں۔ بنکی وہاں سے سرپٹ دوڑتا ہوا گھر پہنچا۔ اتفاق سے اس کے ابا

گھر پر موجود تھے۔

"ابا! ابا! جلدی چلیے، اسکول میں ایک ریچھ گھس آیا ہے، وہ بچوں کو مار ڈالے گا، آپ اپنی بندوق سے اُسے مار ڈالیے۔" وہ ہانپتے ہوئے بولا۔

عمران صاحب فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور اسکول کی طرف دوڑے۔

ہیڈ مسٹریس بے تابی سے ان کا انتظار کر رہی تھیں۔ وہ جلدی سے کھانے کے کمرے کی طرف دوڑے۔ ریچھ ابھی تک اپنے کام میں مشغول تھا۔ عمران صاحب نے نشانہ باندھا اور دو فائر کر دیے۔ ریچھ زمین پر گر کر تڑپنے لگا اور تھوڑی دیر میں ٹھنڈا ہو گیا۔

عمران صاحب ریچھ کے قریب آئے اور اُسے ٹٹولا۔ ریچھ کے مرنے پر استانیوں کے چہروں پر ایک اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔ بچوں کا خوف دُور گیا — وہ خوشی سے تالیاں بجا رہے تھے۔

اچانک عمران صاحب چونک پڑے۔ اس موٹے تازے ریچھ کی گردن میں ایک پرانا پٹّا (بیلٹ) پڑا ہوا تھا۔ جو اَب بالکل چپک کر رہ گیا تھا۔ اس پٹے پر دو ہلکے ہلکے نام لکھے تھے۔ "عمران اینڈ جمی" ان کے منھ سے ایک چیخ نکلی۔ وہ "ڈیر جمی" کہہ کر ریچھ کے مُردہ جسم سے لپٹ گئے۔ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ اُستانیاں اور ہیڈ مسٹرس حیران تھیں کہ شہر کا ایک معزز شخص ایک وحشی ریچھ کے لیے رو رہا تھا۔ بچے بھی حیران ہو کر انھیں دیکھ رہے تھے، لیکن وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ شہر کا ایک معزز شخص نہیں بلکہ ایک ننھا سا عمران اپنے بچپن کے دوست جمی کے لیے آنسو بہا رہا ہے۔

کتب بینی

سلمٰی نعیم پراچہ، کراچی

کتب بینی کے اتنے فوائد ہیں کہ اگر ہم دفتر کے دفتر لکھ دیں پھر بھی انھیں مکمل طور پر بیان کرنے سے قاصر رہیں گے۔ مگر میں یہاں مختصر طور پر انھیں بیان کرتی ہوں۔

کتب بینی کا مطلب اچھی اچھی کتابوں کا مطالعہ کرنا ہے۔ اچھی کتابوں سے مراد مخصوص کتابیں نہیں ہیں۔ بلکہ ہر وہ کتاب جو ہمارے علم میں اضافہ کرے اچھی ہوتی ہے۔ مثلاً، سائنس، تاریخ، اردو ادب وغیرہ کے موضوع کی کتب۔

کتب بینی کرنے والوں کی بھی کئی اقسام ہوتی ہیں۔ مثلاً بعض افراد صرف فالتو وقت میں بوریت سے بچنے کے لیے کوئی کتاب یا ناول اٹھا کر پڑھنے لگتے ہیں۔ بعض افراد جو حقیقی معنی میں ترقی کے منازل طے کرنے کے لیے غور و فکر اور دھیان سے کتب بینی کرتے ہیں۔ جو لوگ فالتو وقت میں بور ہونے کے بجائے کتب بینی کرتے ہیں وہ اس سے کوئی خاص فائدہ نہیں اُٹھاتے۔ لیکن وہ لوگ جو حقیقت میں ترقی کرنے کے خواہاں ہوتے ہیں۔ ان کے لیے کتب بینی بے حد فائدہ مند ثابت

ہوتی ہے۔

آج کا دَور سائنسی دور کہلاتا ہے کیوں کہ سائنس بے انتہا ترقی کر چکی ہے، لیکن اگر ہم سوچیں کہ آخر سائنس نے اتنی ترقی کیسے کی ہے۔ ایجادات کیسے ہوئی ہیں تو پتا چلے گا کہ یہ بھی دراصل مطالعہ اور غور ہی کا نتیجہ ہے۔ مثلاً ٹیلے فون کے موجد گراہم بیل نے کچھ عملی تجربات کیے ہوں گے۔ اس کے متعلق ابتدائی چیزوں کا مطالعہ کیا ہوگا اور لازمی طور پر اس نے یہ مطالعہ کتابوں ہی سے کیا ہوگا۔ اس کے علاوہ خود ان سائنس دانوں نے اپنے تجربات اور مشاہدات کو کتابوں کی صورت ہی میں قلم بند بھی کر دیا ہے اور جب ان کتابوں کو آنے والی نسل مطالعہ کرے گی تو وہ اس میں کچھ ردّ و بدل کر کے اسے اور ترقی دے سکے گی۔

اس مثال سے ہم یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ کتب بینی کتنی فائدہ مند ہے۔ کتب بینی نہ صرف ترقی کے خواہاں لوگوں کے لیے اچھی ہے بلکہ یہ ان کے لیے بھی بہت فائدہ مند ہے جو صرف مشغلے کے طور پر اسے جاری رکھتے ہیں، کیوں کہ ایک انسان اگر فالتو اور بے کار بیٹھا ہے اس کا ذہن پریشان ہے تو اسے فضول اور بے کار بیٹھنے کے بجائے کتب بینی کے مشغلے کو اپنانا چاہیے۔ اس طرح وہ ذہنی پریشانی سے بچ جائے گا اور اگر وہ اچھی کتابوں کا مطالعہ کرے تو پھر اس کو دُنیا کے متعلق بہت سی معلومات بھی حاصل ہوں گی۔ یہ معلومات اس کے علم اور خود اعتمادی میں اضافے کا باعث بھی بنیں گے۔ جن سے ان کے چہرے پر ایک رونق سی آجائے گی اور وہ ایک شائستہ اور تہذیب یافتہ انسان لگے گا۔

بڑے بڑے مفکروں نے کتب بینی کو نہایت اچھی عادت قرار دیا ہے۔ کتابوں کے مطالعے سے نہ صرف ہم علم حاصل کر سکتے ہیں بلکہ اچھے اور بہترین دوستوں کو بھی پا لیتے ہیں۔ کیوں کہ ایک اچھی کتاب ایک بُرے دوست کی نسبت ہماری بہترین دوست ہے۔ اس سے نہ صرف ہمیں علم حاصل ہوتا ہے بلکہ ہمیں ایک بہترین ساتھی بھی مل جاتا ہے۔ ایک اچھی کتاب ہمیں کبھی غلط راہ پر نہیں ڈال سکتی۔ اس کے برعکس ہمارا کوئی دوست ہمیں کسی وقت دشمنی میں آکر غلط مشورہ بھی دے سکتا ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ بجائے اس کے کہ ہم اچھے اچھے دوست تلاش کرتے پھریں اور دھوکے کھائیں۔ کتب بینی اختیار کر کے اچھی اچھی کتابوں کا مطالعہ کریں۔ کتابیں ہماری بہترین دوست ثابت ہونے کے علاوہ ہمیں سیدھی راہ میں چلنا بھی سکھائیں گی۔

مشہور شخصیتوں کے اصل نام

سیّد مختار علی چاند، کراچی

۱۔ محمد بن قاسم	عماد الدین
۲۔ لعل شہباز قلندرؒ	عثمان مروندی
۳۔ ٹیپو سلطان	فتح علی
۴۔ مہاتما گاندھی	موہن داس کرم چند

۵ - بہادر شاہ ظفر — ابوالمظفر سراج الدین
۶ - بو علی سینا — ابو علی الحسین
۷ - چنگیز خان — تموجن
۸ - ابن بطوطہ — ابو عبداللہ محمد
۹ - داتا گنج بخش رح — شیخ ابوالحسن علی ہجویری

پاکستان

مرزا ساجد حسین ناز، کراچی

پیارے پیارے پاکستان
پیارے پیارے پاکستان
وہ جو ہیں اسلام کے دشمن
وہ ہیں تیرے نام کے دشمن
ان سے ہم لڑ جائیں گے
تیری شان بڑھائیں گے
ہم اس باغ کے مالی ہوں گے
ہم یہ باغ سجائیں گے
پیارے پیارے پاکستان
پیارے پیارے پاکستان

وقت ایک سا نہیں رہتا

محمد یونس انجم، منگلا

یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ وقت ایک سا نہیں رہتا۔ کبھی انسان غریب ہوتا ہے اور کبھی وہی انسان لکھ پتی بن جاتا ہے۔ کبھی وہ طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا

ہو جاتا ہے اور کبھی بڑے بڑے پہلوانوں کا مقابلہ کرتا ہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ہمارے بھائی جان انگلینڈ سے آئے۔ وہ نے ان سے کہا کہ وہ مجھے لاہور کی شاہی مسجد دکھائیں۔ پہلے تو بھائی جان نے صاف انکار کر دیا، لیکن ہم بھی کہاں ہار ماننے والے تھے۔ صاف کہہ دیا کہ جب تک شاہی مسجد نہیں دیکھ لیتے کھانا نہیں کھائیں گے۔ خیر بھائی جان ہمیں لاہور لے جانے پر آمادہ ہو گئے اور ایک دن ہم لاہور کے لیے روانہ ہو گئے۔ ہم نے منگلا سے جہلم کا ٹکٹ لیا اور جہلم سے لاہور جانے والی بس میں بیٹھ گئے۔ گوجرانوالہ میں جب بس رُکی تو وہاں ایک بوڑھی عورت سوار ہوئی۔ اس کے کپڑے بھی پھٹے ہوئے تھے۔ وہ بے حد غریب لگتی تھی۔ بوڑھی کے پاس ایک گٹھڑی بھی تھی۔ جب کنڈکٹر نے اس سے کرایہ طلب کیا تو اس نے کہا کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔ میں بہت غریب ہوں۔ خدا کے لیے لاہور لے چلو۔ کنڈکٹر نے بوڑھی عورت کی ایک نہ سُنی اور اس کو بُرا بھلا کہنے لگا۔ اور گٹھڑی اُٹھا کر باہر پھینک دی اور بازو پکڑ کر بڑھیا سے نیچے اُترنے کو کہا۔ مجھے اس بوڑھی عورت پر ترس آگیا اور میں نے اپنی جیب سے دس رُپے نکال کر کنڈکٹر کو دیتے ہوئے کہا، "اب تم اس کو مت جھڑکنا۔" اس نے کرایہ لے لیا اور باقی رقم مجھے واپس کر دی میں نے وہ باقی رقم بھی بڑھیا کے حوالے کر دی۔ اپنی

باتوں میں ہم لاہور پہنچ گئے۔

اس واقعے کے تقریباً دو سال بعد مجھے جہلم جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں میں نے ایک آدمی کو رینگتے ہوئے دیکھا تو اسی جگہ رُک گیا۔ میں نے اس کے قریب جا کر اس سے کہا، "میں نے آپ کو اس سے پہلے کہیں دیکھا ہے۔ آپ کبھی بس کنڈکٹر تو نہیں تھے؟" یہ سن کر وہ شخص رونے لگا اور بولا، "ہاں میں بس کنڈکٹر تھا مگر بدقسمتی سے بس کا ایکسیڈنٹ ہوا اور میری ٹانگیں ٹوٹ گئیں، اب مجھ سے کوئی کام نہیں ہوتا۔" اس کی یہ بات سُن کر میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔ میرے یاد دلانے پر وہ بہت رویا اور کہنے لگا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی تھی۔ میں نے اس سے کہا کہ اب صبر کرو، وقت ایک سا نہیں رہتا۔

دل چسپ اور عجیب

عامرہ خاتون، سیالکوٹ

بمبل بی مینڈک کی ایک مشہور قسم ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ایسے مینڈک مکھی بہت شوق سے کھاتے ہیں۔ آسٹریلیا میں کیلور کے مقام پر جانوروں کا ایک بین الاقوامی ٹورنامنٹ منعقد ہوتا ہے جس میں لوگ دور دور سے اپنے پالتو جانور بھیجتے ہیں۔ ایک دفعہ دوسرے جانوروں کے ساتھ مینڈکوں نے بھی اونچی چھلانگ میں حصہ لیا۔ کل ۲۳ مینڈکوں نے اس مقابلے میں شرکت کی۔ ہوائی کا ایک مینڈک جس کا نام سائیڈ ونڈر چہارم تھا، مقابلے میں اول آیا۔ اس بمبل بی مینڈک نے ۷ فٹ ۱۱ انچ اونچی چھلانگ لگائی اور مقابلہ جیت کر عالمی چیمپئن کا اعزاز حاصل کیا۔ اس کے مالک کو بے شمار تحائف کے علاوہ ... ۳۰ ہزار ڈالر کی رقم بطور انعام دی گئی۔ مینڈکوں کے علاوہ اس کے مقابلے میں چھپکلیوں، مکھیوں اور پسوؤں اور کئی دوسرے کیڑوں نے بھی حصہ لیا۔

ناخن پر تصویر

مغربی ممالک میں جہاں سائنس روز بروز ترقی کر رہی ہے بعض نہایت دل چسپ ایجادات سامنے آتی ہیں۔ پندرہ سولہ سال پہلے لندن کے بعض نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو عزیز دوست یا پیاری شخصیت کی تصویر ناخن پر اُتروانے کا شوق پیدا ہوا۔ فوٹو گرافر سب سے پہلے اُس شخص کی تصویر لے کر اتنی چھوٹی بناتے تھے کہ ناخن کے اوپر آسکے۔ پھر اس تصویر کے نیگیٹو سے کاربن پیپر پر تصویر لی جاتی بعد ازاں کاربن پیپر سے یہ تصویر اس کاغذ پر منتقل کی جاتی جسے ٹرانسفر پیپر کہتے ہیں۔ گیلے ٹرانسفر پیپر کو ناخن پر چپکا دیا جاتا اور جب ٹرانسفر پیپر خشک ہو جاتا تو اسے اُتار کر پھینک دیا جاتا اتنی دیر میں ناخن پر تصویر چھپ جاتی، اب اس تصویر پر انیمل کر دیا جاتا۔ تاکہ ہاتھ دھونے پر بھی تصویر محفوظ رہے۔

آپریشن کروانا بھی ایک مشغلہ ہے۔ کچھ عرصے قبل ایک عورت نیویارک کے ایک ہسپتال میں آپریشن کے لیے لائی گئی۔ اس سے پہلے وہ مختلف نوع کے اٹھارہ آپریشن کرواچکی تھی۔ تحقیق کرنے پر پتا چلا کہ اسے آپریشن کروانے کی عادت پڑ چکی ہے۔ ڈاکٹروں کے خیال کے مطابق یہ عادت منشیات اور جرائم کی عادتوں سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ آپریشن کروانے کے عادی اشخاص درد اور تکلیف برداشت کرنے کی بے پناہ قوت رکھتے ہیں اور بعض اوقات اس عادت کو پورا کرنے کے لیے خطرناک بیماریوں کو دعوت دیتے ہیں۔

ایسا ہی ایک شخص لاوایونی ورسٹی کے ہسپتال میں داخل ہوا تو خون تھوک رہا تھا۔ اس کا ایک پھیپھڑا تقریباً ناکارہ ہو چکا تھا۔ اور جسم پر چھوٹے بڑے آپریشنوں کے کُل پندرہ نشان تھے۔ چالیس دن تک ہسپتال میں رکھنے کے بعد ڈاکٹروں نے اس کا آپریشن نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ مریض نے اس فیصلے کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے قینچی سے اپنا پیٹ چاک کر لیا اور خون میں لت پت ہو کر برآمدے میں گر پڑا۔ اسے فوراً آپریشن روم پہنچایا گیا۔ جونہی آلاتِ جراحی سے مسلح ڈاکٹر اس کے گرد جمع ہوئے اس کے چہرے پر مسکراہٹ کھیلنے لگی اسے ایک گونہ سکون مل رہا تھا۔

تاریخ کی طویل ترین بھوک ہڑتال:

مٹاپے کی شکار انتالیس سالہ عورت نے تاریخ کی طویل ترین بھوک ہڑتال کی۔ اس عورت کا قد پانچ فٹ چھ انچ اور وزن تین سو پندرہ پونڈ تھا۔ اس نے ۱۰۰ دن تک پانی اور وٹامن کی گولیوں پر گزارا کیا۔ اس عرصہ میں اس کا وزن تین سو پندرہ پونڈ سے گھٹ کر ایک سو ننانوے پونڈ رہ گیا۔

گلہری اور لومڑی

محمد طارق جاوید، نیوڈڈیال، آزاد کشمیر

لاریکا لومڑی ابھی بچّہ ہی تھی۔ اسے پتا نہیں تھا کہ جنگل کے دوسرے جانور کس طرح رہتے سہتے ہیں۔ ایک دن وہ فر کے ایک درخت کے نیچے کھڑی ہوئی تھی کہ فر کا ایک پھل عین اُس کے سر کے اوپر گرا۔ ابھی وہ اپنے پنجے سے وہ جگہ کھجا رہی تھی جہاں اسے چوٹ لگی تھی کہ اتنے میں ایک دوسرا پھل اس کی پیٹھ پر گرا۔ اب جو اس نے سر اُٹھا کر دیکھا تو اسے اوپر درخت پر گلہری لینکا نظر آئی جو اسے دیکھ کر ہنسے جا رہی تھی۔

"ہاہاہا! میں تو درخت پر بیٹھی ہوں! ہاہاہا! میں تو درخت پر بیٹھی ہوں!" وہ گنگنانے لگی۔

"کیا تم نے مجھے ان پھلوں سے مارا ہے؟" لومڑی لاریکا نے غصّے سے پوچھا، "ہاں ہاں"۔ لومڑی نے کہا۔

"میں پوچھتی ہوں کیوں مارا؟"

"بس یونہی مذاق میں، میں بیٹھے بیٹھے اُکتا گئی تھی۔ سچی

بات تو یہ ہے کہ۔" گلہری نے جواب دیا۔

"اچھا یہ بات ہے؟ دیکھو ہوش میں رہنا ورنہ میں تمھیں کھا لوں گی۔"

"نہیں تم مجھے نہیں کھا سکتیں۔" "میں تمھیں ضرور کھاؤں گی۔" "اچھا تم کوشش کر کے دیکھو۔"

لومڑی لاریکا نے گلہری کو گھور کر دیکھا اور سوچنے لگی! اس کے بھی چار پاؤں ہیں اور میرے بھی، اس کی بھی ایک دُم ہے اور میری بھی۔ البتہ وہ درخت پر بیٹھی ہے۔ تو کیا ہوا؟ شاید اس نے اس کی خاص طور پر مشق کی ہوگی، لیکن وہ زمین پر بھی تو چلتی ہے۔ ٹھیک ہے! میں یہیں بیٹھی اس کا انتظار کرتی رہوں گی اور جب وہ درخت سے نیچے اُترے گی تو میں اسے کھا جاؤں گی۔

لومڑی لاریکا فر کے درخت کے نیچے لیٹ گئی۔ اُس نے اپنی دُم پھیلائی اور چوکس ہو کر انتظار کرنے لگی۔

صبح ہوگئی، سارا دن گزر گیا، لیکن گلہری ابھی تک درخت سے نیچے نہیں اُتری تھی۔

"اچھا، میں سمجھ گئی،" اُس نے سوچا۔ جب تمھیں بھوک اور پیاس ستائے گی تب تم نیچے اترو گی ـــــ درخت کے اوپر تو پانی نہیں ہے۔"

اِس اثنا میں گلہری لاریکا ایک درخت سے دوسرے درخت پر سے تیسرے اور تیسرے سے چوتھے درخت چھلانگیں مارتی پھر رہی تھی۔ راستے میں وہ پھلوں کو کاٹ کاٹ کر کھاتی رہی اور جب وہ دریا کے کنارے پر واقع سفیدے کے جُھنڈ کے پاس پہنچی تو مینا سوزکا سے اس کی جھڑپ ہوگئی۔ "کُو کُو!" مینا سوزکا نے کہا۔ "تم درختوں پر چھلانگیں لگاتی کیوں پھر رہی ہو؟ تمھارے تو چار پاؤں ہیں، تمھیں تو زمین پر دوڑنا چاہیے۔ درخت تو پرندوں کے لیے ہوتے ہیں۔"

"ہاہاہا!" گلہری ہنسی، "اتنے بڑے جنگل میں اُڑنے کے لیے تمھیں کافی جگہ نہیں ملی؟ جنگل پر سب کا حق ہے اور جہاں میرا دل چاہے گا دوڑتی پھروں گی۔"

گلہری لینکا نے دل بھر کر پانی پیا، تھوڑے پھل کھائے اور شام کے وقت واپس فر کے درخت پر پہنچی اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ لومڑی لاریکا ابھی تک نیچے اس کا انتظار کر رہی تھی۔

"ارے، تم ابھی تک یہاں بیٹھی ہو؟" اس نے پوچھا۔

"ہا! ہا! ہا! میرے انتظار میں!"

"تم نے ٹھیک سوچا۔ اچھا تو بیٹھی انتظار کرتی رہو، میں تو سونے جا رہی ہوں، شب بخیر۔" وہ ایک شاخ پر بیٹھ کر سو گئی۔ لاریکا کو پتا بھی نہ چلا کہ گلہری پیٹ بھر کر کھا پی چکی ہے۔ "ٹھیک ہے،" اس نے سوچا، "میں بھوکی ہوں اور تم بھی، مجھے پیاس لگ رہی ہے، تمھیں بھی لگی ہوگی ـــ میں بھی اپنی دُھن کی پکی ہوں، میں یہیں پر بیٹھی تمھارا انتظار کروں گی، تم کبھی نہ کبھی تو نیچے اترو گی۔ تم اتنی اوپر بیٹھی ہو تو بالآخر تمھارا سر چکرانے لگے گا۔ اور تم سیدھی میرے منھ میں آگرو گی۔"

دوسرے دن گلہری لینکا اٹھی اور اس نے شبنم سے منھ ہاتھ دھوئے اور نیچے دیکھا،

لاریکا! تم ابھی تک یہیں بیٹھی ہو؟" ہا! ہا! ہا! میرے انتظار میں؟ تم نے ٹھیک سمجھا، تو بیٹھی انتظار کرتی رہو۔" اس کے بعد وہ دوبارہ ایک شاخ سے دوسری پر، ایک درخت سے دوسرے درخت کے اوپر پھلانگتی رہی اور بالآخر دریا کے کنارے پر پہنچ گئی وہاں اس نے کھایا پیا۔ جب وہ واپس فر کے درخت پر پہنچی تو سورج غروب ہو رہا تھا۔

لاریکا! تم ابھی تک یہیں بیٹھی ہو؟"

اب لاریکا کا منھ اتنا خشک ہو گیا تھا کہ اس کے منھ سے ہاں تک نہیں نکل رہی تھی، لیکن جیسے تیسے اس نے جواب دیا، "ہاں، ہاں۔"

گلہری نے پوچھا، "اب بھی تم مجھے کھانا چاہتی ہو؟"

"یقیناً،" لاریکا نے جواب دیا۔

لنیکا نے جواب دیا۔ "اچھا تو بیٹھی انتظار کرتی رہو۔"

رات کے وقت لاریکا کو بھوک نے ستایا۔ اب وہ برداشت نہ کر سکی، چناں چہ اُس نے سوچا کہ گھر جائے، کچھ کھائے پیے اور پھر واپس آ کر گلہری کا انتظا انتظار کرے۔

"کہاں رہیں تم اتنے دن؟" لاریکا کی ماں نے پوچھا، "کتنی دُبلی ہو گئی ہو؟" ۔ میں نے گلہری پکڑی ہے۔"

گلہری پکڑی ہے، کیسے؟

"امی ہوا یوں کہ ....." اُس نے ماں کو بتایا کہ گلہری لنیکا اوپر درخت پر بیٹھی تھی اور میں نیچے اس کا انتظار کر رہی تھی۔

"لاریکا، کتنی بے وقوف ہو تم،" اس کی ماں نے کہا۔ "گلہری کے چار پاؤں تو ضرور ہوتے ہیں، لیکن وہ ایک درخت سے دوسرے درخت پر، ایک شاخ سے دوسری شاخ کو پھلانگ سکتی ہے۔ جب تم درخت کے نیچے بیٹھی ہوئی تھیں تو وہ سارے جنگل میں چھلانگیں لگاتی دوڑ رہی تھی اور سب کو بتا رہی تھی کہ تم کتنی بے وقوف ہو۔"

ایک سچّا واقعہ

فرہاد صغیوی، سیال کوٹ

"بے شک اللہ ہر شے پر قادر ہے۔"

یہ آیت قرآنِ مقدس کی ہے اور اس کی گواہی روزِ اوّل سے آج تک رونما ہونے والے ان گنت واقعات دے رہے ہیں۔ اور دیتے رہیں گے۔ مغرب میں جہاں دنیا کی خواہشوں اور لالچ نے انسان کو اپنے شکنجے میں جکڑ رکھا ہے آج بھی کبھی کبھار ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں جن کے سامنے باطل کی قوتوں کا سر خم ہو جاتا ہے اور قادرِ مطلق کی عظمت تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں رہتا۔

حال ہی میں امریکا کے ایک شہر ڈیکچر کے رہنے والے جمی رچی کو اللہ تعالیٰ نے اُس وقت شفا دے کر دوبارہ چلنے پھرنے کے قابل بنا دیا جب وہ چلنے پھرنے سے معذور تھا۔ جمی متواتر ۱۴ برس تک اپاہج رہا۔ مقدور بھر علاج

کروایا، دنیا کی ہر دوا استعمال کر لی لیکن مسلسل ۱۴ برس تک سوائے مایوسی کے اور کچھ ہاتھ نہ آیا۔ ادر پھر ایک دن ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ جمی رچی نے ٹی وی پر ایک عورت کو خدائے برتر کی حمد پڑھتے ہوئے سنا۔ وہ کہہ رہی تھی :

"خداوند تعالیٰ کی حمد و ثنا کرو، تمھارے زخم مندمل ہو جائیں گے۔ تم شفایاب ہو جاؤ گے۔"

جمی کے مطابق اسے اچانک قریب ہی سے ایک آواز آئی، "جمی اُٹھو، اور دو تین قدم اٹھا کر دیکھو۔" میں اس عجیب و غریب آواز کو سن کر اٹھا اور چلنا شروع کر دیا۔ میں خوشی سے پھولا نہیں سماتا تھا۔ جب میری بیوی نے دیکھا کہ میں بیساکھیوں کا سہارا لیے بغیر چل رہا ہوں تو وہ بھی ہکا بکا رہ گئی۔ پھر میں اپنے ذاتی معالج کے پاس پہنچا اور میں نے پہنچتے ہی مسرت و جذبات سے مغمور ہو کر درد بھری آواز میں اللہ تعالےٰ کی حمد و ثنا شروع کر دی۔ میرے منھ سے بے ساختہ یہ جملے نکلے۔

"میں دوبارہ صحیح اور صحت مند ہو گیا ہوں اور میری صحت یابی میرے اپاہج پن کے دور ہونے کا واقعہ خدا تعالےٰ کی توجہ کا مرہون منت ہے۔"

ڈیکچر کے ڈاکٹر ای سی اواٹلی جو متواتر چودہ برس تک مسٹر رچی کے معالج رہے ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ مسٹر رچی کا مرض لا علاج تھا۔ اس کا دوبارہ صحت یاب ہونا انتہائی حیران کن بات ہے۔

جمی پر ۱۹۶۲ء میں فالج کا حملہ ہوا تھا، وہ اپنی دونوں ٹانگوں سے محروم ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر نے ہر طرح سے اس کی ٹانگوں کا علاج کیا مگر بے سود۔ ڈاکٹروں کا کہنا تھا کہ وہ فالج کی ایک قسم کا نشانہ بنا ہے۔ اِس لیے اس کی ٹانگوں کا علاج ناممکن ہے۔ ٹانگوں کی نعمت ہاتھ سے گئی تو پھر یکے بعد دیگرے کئی اور صدمے بھی برداشت کرنے پڑے۔ مقامی خوراک کے اسٹور کی انتظامیہ نے اسے ملازمت سے جواب دے دیا۔ اس کے تمام دوستوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ وہ کہتا ہے کہ :

"میں آج خداوند تعالےٰ کے قادر مطلق ہونے کا ہمیشہ سے زیادہ قائل ہوں اور شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے اپنے کرم اور مہربانی کے ذریعے سے مجھے ۱۴ سالہ عذاب سے نجات دلا دی۔"

پتنگ بازی

ذوالفقار احمد قریشی، کراچی

حامد نامی تھا اک لڑکا
بہنوں سے وہ لڑتا رہتا
چیز کوئی گر پا جاتا تھا
چھین جھپٹ کر کھا جاتا تھا
ضدّی تھا وہ بچّہ ایسا
جو کچھ کہتا کر کے رہتا
بہنوں کو تھی چاہت اُس کی
اِس سے سمجھو عادت اِس کی

اِک دن چھت کے اوپر پہنچا
ایک پتنگ کو اُڑتے دیکھا
ڈالا پتنگ میں اس نے لنگر
اُڑتا تھا جو سر کے اوپر
دیکھ رہی تھی قدرت یہ رنگ
موت نے اس سے باندھا تھا سنگ
دل تھا پتنگ میں دھیان پتنگ میں
آنکھ پتنگ پر جان پتنگ میں
دم کے دم میں آیا زمیں پر
وہ تھا کہیں اور روح کہیں پر

کیا آپ یقین کریں گے

سید اُسامہ اختر، کراچی

دنیا کا طویل القامت شخص رابرٹ پرشنگ والڈو تھا۔ اس امریکی کا قد ۸ فٹ ۱۱ انچ تھا۔ اس کا انتقال ۱۵ جولائی ۱۹۴۰ء کو مشی گن میں ہوا۔ اسے جس تابوت میں دفن کیا گیا اس کی لمبائی ۱۰ فٹ ۹ انچ تھی۔

دنیا کی سب سے کوتاہ قد خاتون پولیس مسٹرز تھی۔ وہ ۲۶ فروری ۱۸۷۶ء کو اُوس ڈریچ میں پیدا ہوئی۔ یکم مارچ ۱۸۹۵ء کو ۱۹ سال کی عمر میں اس کا قد ۲۳٫۲ انچ تھا۔ یعنی تقریباً دو فٹ۔

دنیا کی سب سے کم وزن ہونے کا اعزاز میکسیکو کی ایک لڑکی لوسیا زریٹ کو حاصل تھا۔ ۲۰ برس کی عمر میں ۱۸۸۹ء کو انتقال کے وقت اس کا وزن ۱۳ پونڈ تھا۔ اس کا قد ۱۷ برس کی عمر میں ۲۶½ انچ تھا۔

دنیا کا سب سے موٹا شخص مانٹی سیلو کا رابرٹ ہیگز تھا۔ صرف ۸ سال کی عمر میں اس کا وزن ۸۹۶ پونڈ تھا۔ اس کا سب سے زیادہ وزن ایک ہزار اُنہتر پونڈ تھا (۱۰۶۹) جو فروری ۱۹۵۸ء میں ریکارڈ کیا گیا۔ اس کا انتقال ۱۰ جولائی ۱۹۵۸ء میں ہوا۔ مرتے وقت اس کا وزن ۱۰۴۱ پونڈ تھا۔ اس کو ایک کرین کے ذریعے سے قبر میں اُتارا گیا۔

دُنیا کے سب سے لمبے آدمی اور سب سے کم قد کی عورت میں قد کا فرق تقریباً، فٹ ہے۔

مندرجہ بالا ریکارڈز کو مدِنظر رکھتے ہوئے سب سے زیادہ وزنی آدمی اور سب سے کم وزن عورت کے درمیان وزن کا فرق ۱۰۵۶ پونڈ ہے۔

سب سے زیادہ وزن کم کرنے کا ریکارڈ میکسیکو کے ایک پہلوان ولیم جے کوب (پیدائش ۱۹۲۶ء) نے قائم کیا۔ اس نے اپنا وزن آٹھ سو دو (۸۰۲) پونڈ سے گھٹا کر ۲۳۲ پونڈ کر لیا، یعنی ۵۷۰ پونڈ کم کیا۔ اس نے بتایا کہ اس نے یہ وزن صرف تین سال میں کم کیا۔

وزن بڑھانے کا ریکارڈ آرتھر نور کا قائم کردہ ہے۔ اپنی زندگی کے آخری ۶ مہینوں میں اس نے اپنا وزن ۳۰۰ پونڈ بڑھا لیا اور ۷ جولائی ۱۹۶۰ء کو کیلی فورنیا میں انتقال کے وقت اس کا وزن ۹۰۰ پونڈ تھا۔

مکھّن خان

شکیل احمد رضی، کراچی

عرصہ ہوا ایک شہر میں مکھن خان نامی ایک شخص رہتا تھا۔ اُسے پڑھنے لکھنے کا بہت شوق تھا۔ اس کے پاس دو بیل تھے۔ ایک کا نام تھا ڈنڈا اور دوسرے کا نام

چور۔ ایک دن وہ دونوں بیلوں کے ساتھ کھیت پر جارہا تھا۔ راستے میں ایک مسجد پڑی۔ مسجد میں بچے بڑے زور شور کے ساتھ پڑھ رہے تھے۔ خیر مکھن کھیت پر چلا گیا۔ واپسی پر اُس نے مولوی صاحب سے کہا کہ مجھے پڑھنے کا شوق ہے مگر شرم آتی ہے۔ مولوی صاحب نے جواب دیا، "انسان خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو جائے تعلیم سے اسے شرم نہیں آنی چاہیے۔" پھر مکھن خان نے وعدہ کیا کہ وہ کل سے پڑھنے آئے گا۔"

دوسرے دن مکھن خان نہا دھو کر مسجد پڑھنے چلا گیا۔ مولوی صاحب نے اس کو یہ چار مصرعے یاد کرنے کو دیے ؎

ٹھوکا ٹھاکی کرتے ہیں
جھانکا جھانکی کرتے ہیں
کھُسر پھُسر اب جاری ہے
ہرن چھلانگ لگاتے ہیں

مکھن خان نے یہ چاروں مصرعے یاد کر کے سنا دیے اور اور اس کی چھٹی ہو گئی، گھر آ کر اُس نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم رات دو بجے تک جاگتے رہنا اور دو بجے مجھے اُٹھا دینا تاکہ میں اپنا سبق دوبارہ یاد کر لوں۔ چناں چہ اس کی بیوی دو بجے رات تک جاگتی رہی اور دو بجے مکھن خان کو اٹھا دیا۔ مکھن خان نے اپنا سبق یاد کرنے کے لیے پہلا مصرع دُہرایا:

ٹھونکا ٹھانکی کرتے ہیں

اتّفاق سے اسی محلّے کے ایک گھر میں چور گھُسے ہوئے تھے اور کچھ ٹھونکا ٹھانکی کر رہے تھے۔ چوروں نے جب سُنا تو اُن کے اوسان خطا ہو گئے، انھوں نے سوچا کہ کوئی انھیں دیکھ رہا ہے۔ اتنے میں مکھن خان نے دوسرا مصرع دُہرایا: "جھانکا جھانکی کرتے ہیں"

اب تو چوروں نے اِدھر اُدھر جھانکنا شروع کر دیا۔ اُن کو یقین ہوتا جارہا تھا کہ اب ہمارے سر پر مصیبت آنے والی ہے۔ پھر مکھن خان نے تیسرا مصرع دُہرایا:

"کھُسر پھُسر اب جاری ہے۔"

اُس وقت چور آپس میں کھُسر پھُسر کر رہے تھے۔ یہ سُن کر وہ بہت گھبرا گئے تھے کہ اتنے میں مکھن خان نے چوتھا مصرع کہا، "ہرن چھلانگ لگاتے ہیں۔"

اب تو چوروں کو پکّا یقین ہو گیا کہ ہمیں کوئی دیکھ رہا ہے۔ اور وہ لمبی لمبی چھلانگیں لگا کر بھاگنے لگے۔ چوروں کے سرغنہ نے کہا، "ایسے ہی بھاگے جارہے ہو یا پیچھے مُڑ کر دیکھا بھی ہے کہ کوئی آ بھی رہا ہے یا نہیں۔"

ایک چور نے کہا، "سب سے بزدل تم ہو کہ سب سے

آگے بھاگے جا رہے ہو؟"

چوروں کے سرغنہ نے تہیہ کیا کہ وہ اس کالونی میں بھیس بدل کر جائے گا اور پتا لگائے گا کہ وہ کون ایسا کم بخت ہے جس نے چوری کا پروگرام درہم برہم کر دیا۔

دوسرے دن چوروں کا سرغنہ بھیس بدل کر اسی کالونی میں گیا۔ مکھن خان اپنے کھیت پر گیا ہوا تھا۔ صرف اس کی بیوی گھر پر تھی، چوروں کے سرغنہ نے گھر پر دستک دی۔ مکھن خان کی بیوی دروازے پر آئی اور اسے بتایا کہ مکھن خان گھر پر نہیں ہے۔ مکھن خان کی بیوی نے اسے اپنے خاوند کا دوست سمجھا اور اُسے روک لیا، اس کے لیے چٹ پٹے کھانے پکانے لگی۔ چوروں کا سرغنہ باہر چارپائی پر بیٹھا مکھن خان کا انتظار کر رہا تھا۔ کافی دیر بعد خان کی بیوی نے چوروں کے سرغنہ سے پوچھا کہ وہ مکھن کے ساتھ کھانا پسند کریں گے یا اکیلے؟ چوروں کا سردار مکھن کا نام سُن کر دل ہی دل میں خوش ہو گیا۔ ادھر مکھن خان کھیت میں کام زیادہ ہونے کے سبب دیر تک کام کرتا رہا۔ اس نے اپنے دونوں بیل چھوڑ دیئے۔ چور نامی بیل تو گھر پہنچ گیا مگر ڈنڈا ابھی تک غائب تھا۔ مکھن کی بیوی کو تشویش ہوئی۔ اس نے پڑوسن کے بچے سے کہا کہ "دیکھنا، چور تو آ گیا مگر ڈنڈا ابھی تک نہیں آیا۔"

اتنا سُننا تھا کہ چوروں کے سرغنہ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ وہ چپکے سے اٹھا اور جلیبیں بغل میں دبا کر وہاں سے ایسا رفو چکر ہوا کہ پھر پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔ اپنے اڈے پر پہنچ کر اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا "وہ گھر ہی نہیں۔ پوری کالونی ولیوں کی ہے۔

ڈاکٹر علّامہ اقبال

محمد اویس شاداب، کراچی

علّامہ اقبال کی ولادت بروز جمعہ ۹ نومبر ۱۸۷۷ء بمقام سیال کوٹ (محلہ چوڑی گراں) ہوئی۔ ان کی ولادت کو سو سال ہونے والے ہیں، چناں چہ حکومت پاکستان نے ۱۹۷۷ء میں ان کا صد سالہ جشن سالگرہ منانے کا فیصلہ کیا ہے۔ ۱ جنوری ۱۹۷۷ء کو اس کا افتتاح ہوا۔

علامہ اقبال کے آبا و اجداد کشمیری تھے۔ اقبال نے ابتدائی تعلیم مولانا میر حسن سے حاصل کی۔ انہی کی صحبتِ فیض صحبت سے شاعری اور ادبیات کا ذوق اُبھرا۔ شاعری طالب علمی کے زمانے سے ہی شروع کر دی تھی۔ مرزا ارشد گورگانی اور داغ دہلوی سے اصلاح لی۔

انھوں نے اپنے زمانۂ طالب علمی میں مشہور انگریز پروفیسر مسٹر آرنلڈ سے فلسفہ پڑھا اور ایم اے کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں پروفیسر مقرر ہوئے۔ اقبال ۱۹۰۵ء میں انگلینڈ روانہ ہوئے اور کیمبرج یونی ورسٹی میں بغرض تعلیم داخلہ لیا اور پھر جرمنی گئے اور وہاں سے فلسفے میں بھی ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ کچھ عرصے لندن

یونی ورسٹی میں عربی کے پروفیسر بھی رہے اور وطن واپس آکر وکالت شروع کر دی اور سیاسی سرگرمیوں میں حصّہ لیا۔ چناں چہ ۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ صدر منتخب ہوئے۔

اس کے ساتھ شعر و سُخن کا شغل بھی جاری رکھا۔ اپنی غیر معمولی ذہانت اور شاعرانہ صلاحیت کی بناء پر قوم سے "حکیم الاُمّت"، ترجمانِ حقیقت، شاعرِ اسلام، اور شاعرِ مشرق کے لقب پائے۔ اقبال اُردو اور انگریزی دونوں زبانوں کے قادر الکلام شاعر تھے۔ اُن کی تصانیف میں بانگِ درا، بالِ جبریل، ضربِ کلیم، اسرارِ خودی، رموزِ بے خودی، پیامِ مشرق اور ارمغانِ حجاز وغیرہ یادگار ہیں۔

۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء میں ۶۱ برس کی عمر میں بمقام لاہور وفات ہوئی اور بادشاہی مسجد کے سامنے دفن ہوئے۔

عِلم

نعیم احمد شریف، کراچی

بچّو پڑھنا لکھنا سیکھو
آگے آگے بڑھنا سیکھو
پڑھنے سے تم جی نہ چُراؤ
علم ہی حاصل کرتے جاؤ
علم بڑی دولت ہے
علم سے عزّت ہوتی ہے
دور ہو جس سے سب کی غریبی
پڑھ لکھ کر تم عالِم بننا
اپنے وطن کی خدمت کرنا
دُنیا میں اچھّے کام کرو تم
قوم کا روشن نام کرو تم

غلطی کا احساس

ملک مُظفّر اقبال، نوشہرہ (سرگودھا)

گرمیوں کے دنوں میں جب سب صحن میں سوئے ہوتے اور مسجدوں سے اللہ اکبر کی صدا گونجتی تو اس کے تھوڑی دیر بعد ہی ڈھول کی آواز کانوں میں سوئی بن کر چبھتی اور جی چاہتا کہ اس ڈھول کی آواز کو ہمیشہ کے لیے ختم کر کے سکون کا سانس لیں لیکن مجبور تھے اور یہ سب کچھ ہمارے محلّے دار دینو مراثی کا کارنامہ تھا۔ ہم برسوں سے اس آواز کو سُن رہے تھے اور دل بار بار یہی کہتا، کاش وہ ہمیں، بچے تک سونے دے، میرا دوست محبوب بھی عاجز آچکا تھا۔

ایک روز ہم نے منصوبہ بنایا کہ جیسے ہی دینو اپنے چھت پر بیٹھ کر ڈھول بجائے اسے مٹی کے ڈھیلے مارے جائیں تاکہ وہ سمجھے کہ کوئی جنّات وغیرہ ہے اور ڈر کر چھت سے اُتر جائے۔ چناں چہ محبوب اور میں نے رات کو محلّے کے اسکول کے پاس ملنے کا پروگرام بنایا۔ طے یہ ہوا کہ جب وہ ڈھول بجائے گا تو ہم پتھر ماریں گے۔

بندہ پروگرام کے مطابق اسکول کے سامنے پہنچ گیا اور خوب ڈھیلے پھینکے۔ پھر دوسرے روز بھی یہی کارروائی جاری رہی۔ کامیابی دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اس روز ہمارے پتھر سے اس کے سر پر زخم آ گیا اور صبح ہوتے ہی محلے میں یہ بات پھیل گئی کہ دینو جب معمول کے مطابق چھت پر چڑھا تو پتھروں کی بارش شروع ہو گئی اور اس کے سر پر پتھر لگنے سے گہرا زخم آ گیا ہے۔

جب دینو کا زخم ٹھیک ہوا تو وہ پھر اپنا ڈھول بجانے لگا۔ اِدھر شیطان نے ہمیں دوبارہ ورغلایا اور ہم پھر ایک بار پرانے اڈّے پر اکٹھے ہو کر نشانے باندھ ہی رہے تھے کہ محلے کے ایک بزرگ شاہ نواز صاحب نے ہمیں موقع واردات پر پکڑ لیا۔ خیر ہم چکنی چپڑی باتیں کر کے نکل گئے اور اپنے اپنے گھروں کو بھاگے۔ اب جو دینو کو ہمارے متعلق معلوم ہوا تو وہ غصّے میں بھرا ہمارے گھر شکایت لے کر پہنچا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمیں ناشتے میں ڈنڈے مل رہے تھے اور ہم توبہ توبہ کہہ کہہ کر جان بچانے کی فکر کر رہے تھے۔

چند ہفتوں کے بعد ایک روز ڈھول کی آواز نہ آئی، لیکن صبح آنکھ کھلتے ہی یہ خبر سنی کہ دینو بے چارہ یکایک اس فانی دُنیا کو خیر باد کہہ گیا ہے۔ جب بھی یہ واقعہ یاد آتا ہے تو ہم اپنے کیے پر آپ شرمندہ ہوتے ہیں۔

کاش! ہم ایسا نہ کرتے۔

بادشاہ کون؟

ندیم سلطان علوی

فرانس کا بادشاہ نپولین ایک دن درباریوں کے ساتھ شکار کو نکلا۔ کچھ فاصلہ پر جا کر وہ درباریوں سے الگ ہو گیا۔ راستے میں اُسے ایک کسان ملا۔ نپولین نے اس کسان سے پوچھا کہ موجودہ بادشاہ کے متعلق اس کے کیا خیالات ہیں؟

کسان نے جواب دیا، "میں نے بادشاہ کو دیکھا نہیں، مگر رعایا اس سے خوش ہے۔" اس پر نپولین نے اس سے پوچھا، "کیا تم بادشاہ کو دیکھنا چاہتے ہو؟"

کسان نے آمادگی ظاہر کی اور دونوں گھوڑوں پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔

راستے میں کسان نے نپولین سے پوچھا کہ منزل پر پہنچ کر تم بھی درباریوں میں شامل ہو جاؤ گے، میں بادشاہ کو کیسے پہچان سکوں گا؟

نپولین نے جواب دیا کہ وہاں پہنچ کر دیکھنا جس کے سر پر ٹوپی ہو گی وہی بادشاہ ہو گا۔ اتنے میں درباری سامنے سے آتے دکھائی دیے۔ جب درباریوں نے نپولین کو دیکھا تو قریب آ کر سب نے سر پر سے ٹوپی اُتار دی اور سر جھکا دیا، مگر نپولین نے اپنی ٹوپی نہیں اتاری تھی۔ اس وقت بادشاہ نے کسان سے پوچھا، "تم نے بادشاہ کو پہچان لیا؟" کسان نے جواب دیا، "ٹوپی ہم دونوں کے سر پر ہے، اس لیے معلوم نہیں کہ بادشاہ کون ہے؟"

سیّد احمد شہیدؒ

نجیب الرحمان غوری، کراچی

انیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں جب برصغیر کے مسلمان ہر اعتبار سے کم زور ہو چکے تھے۔ ان کی سیاسی قوت کے ختم ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرہ بھی زوال پذیر تھا، لیکن اس دور میں بھی باشعور مسلمان موجود تھے جنھوں نے چند تحریکیں چلائیں۔ اس صدی کی پہلی تحریک "تحریک جہاد" تھی۔ جو سید احمد شہیدؒ کی کوششوں کا نتیجہ تھی۔

سید احمد شہید ۱۷۸۶ء میں رائے بریلی (بھارت) کے ایک ممتاز گھرانے میں پیدا ہوتے۔ بچپن میں علم سے لگاؤ نہ تھا بلکہ طبیعت کھیلوں کی طرف مائل تھی۔ والد کے انتقال کے بعد دہلی چلے آئے اور شاہ عبدالعزیزؒ کی شاگردی اختیار کی اور روحانیت کی ایسی منازل طے کیں کہ فرشتہ سیرت بن گئے۔

اُن دنوں مسلم معاشرے میں غیر اسلامی رسموں کا دور دورہ تھا، چناں چہ سیدؒ صاحب نے مسلمانوں کو تلقین کی کہ جس طرح سرورِ کائناتؐ نے پاکیزہ اور سادہ زندگی بسر کی اسی طرح اُنھیں بھی زندگی بسر کرنی چاہیے۔ اور شرک و بدعت سے پرہیز کرنا چاہیے۔ ان کے وعظ میں بڑا اثر تھا۔

۱۸۲۱ء میں سیدؒ صاحب اپنے پانچ سو ساتھیوں کے ہمراہ حج کے لیے روانہ ہوئے اور تین سال کے بعد مدینے سے واپس آئے۔ واپسی پر سکھوں کے خلاف جہاد کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔ ان دنوں پنجاب میں رنجیت سنگھ کی حکومت تھی۔ سکھوں نے نماز اور اذان دینے پر پابندی عائد کر دی تھی۔ اور بعض مسجدوں کو گھوڑوں کا اصطبل بنا دیا تھا۔ جب ان کے ظلم و تشدد کی تفصیلات سیدؒ صاحب کو معلوم ہوئیں تو ۱۸۲۵ء میں سات سو ساتھیوں کو لے کر جہاد کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ سفر میں اُنھیں کافی دشواریاں پیش آئیں۔ وہ درۂ بولان سے کابل پہنچے اور وہاں سے خیبر کے راستے پشاور آتے۔ پونے دو ہزار میل کا سفر نو ماہ میں طے کیا۔

۱۸۲۶ء کے آخر میں سکھوں کے ساتھ پہلا معرکہ ہوا جس میں مجاہدین کو کامیابی ہوئی۔ حضرو کی فتح کے بعد سیدؒ صاحب کی خلافت کا اعلان جمعہ کے خطبے میں کیا گیا۔

۱۸۳۰ء میں مسلمانوں نے پشاور فتح کیا اور وہاں کی سرزمین پر اسلام کی صدا گونج اُٹھی۔ شرک کا خاتمہ اور شریعت کا نفاذ ہوا، نشہ آور چیزوں کی ممانعت کر دی گئی اور ان رسموں کا قلع قمع کر دیا گیا جو اسلام میں نہ تھیں۔ مگر یہاں کچھ سردار ان کے مخالف ہو گئے، چناں چہ سیدؒ صاحب نے وہاں سے ہزارہ کی طرف ہجرت کی اور ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو بالاکوٹ کے مقام پر سکھوں کے خلاف جہاد کرتے ہو حضرت

شاہ اسمٰعیلؒ اور حضرت سید احمدؒ اور دوسرے مجاہدین نے جامِ شہادت نوش کیا۔

سید صاحبؒ کی یہ تحریک برصغیر کی تاریخ میں سنہری باب کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس سے مسلمانوں کی تحریکِ آزادی کو تقویت ملی اور جنگ آزادی میں اس تحریک کے ماننے والوں نے بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔

جب گورنر عدالت میں پیش ہوا

فرحان عبدالمصطفےٰ، گجرات

حضرت عمر بن خطابؓ ایک جلیل القدر صحابی، دانش مند اور رحم دل انسان، بہادر سپاہی، بہترین جرنیل اور لاثانی حکمران تھے۔ ان کا معمول تھا کہ وہ عوام کی شکایات سے باخبر رہنے اور حکومت کے کارندوں سے متعلق عوام کی آرا جاننے کے لیے ہر سال کھلے میدان میں ایک عوامی عدالت لگاتے تھے۔ اس موقعے پر وہ عوام کی شکایات کے مطابق کارپردازانِ حکومت سے بازپرس بھی کیا کرتے تھے اور کسی سے ذرّہ بھر رُو رعایت روا نہ رکھتے تھے۔

ایسی ہی ایک مجلس کے دوران حمص کے باشندوں کا ایک وفد حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور شکایت کی کہ حضرت عمرؓ کی طرف سے مقرر کردہ حمص کے گورنر حضرت سعید بن عامرؓ اپنے فرائض میں کوتاہی برت رہے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے دریافت فرمایا۔ ”وہ اپنے فرائض میں کیا کوتاہی برت رہے ہیں؟ تفصیل سے بیان کرو تاکہ ان سے مکمل باز پُرس کی جا سکے۔“ وفد نے عرض کیا، ”ہمیں حضرت سعید بن عامرؓ سے تین شکایات ہیں۔ ایک تو یہ کہ روزانہ، جب تک دن اچھا خاصہ چڑھ نہیں آتا، وہ گھر سے باہر نہیں نکلتے۔ دوسرے یہ کہ اگر رات کو انھیں کسی کام سے پکارا جائے تو جواب نہیں دیتے۔ تیسرے یہ کہ مہینے میں ایک مرتبہ تو وہ سارا دن ہی گھر میں رہتے ہیں اور باہر بالکل نہیں نکلتے۔“

”واقعی سعید بن عامر اپنے فرائض سے کوتاہی برت رہے ہیں۔“ خلیفۂ رسولؐ حضرت عمرؓ نے حیرت بھرے لہجے میں کہا، ”مجھے سعید بن عامرؓ جیسے فرض شناس انسان سے ایسی توقع ہرگز نہ تھی۔“ اس کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے حکم جاری فرمایا، ”حمص کے گورنر سعید بن عامرؓ کو فوری طور پر یہاں حاضر کیا جائے تاکہ ان سے باز پرس کی جا سکے۔“ تھوڑی ہی دیر میں حضرت سعید بن عامرؓ عدالت میں حاضر ہو گئے۔

امیر المومنین حضرت عمرؓ نے حمص کے وفد کے ارکان سے فرمایا، ”سعید بن عامرؓ تمھارے سامنے موجود ہیں۔ تمھیں ان کے خلاف جو شکایات ہیں ان کے سامنے دُہرا دو تاکہ یہ ان سے واقف ہو سکیں۔“ وفد کے ارکان نے خلیفۂ اسلام کی ہدایت کے مطابق حضرت سعید بن عامرؓ کے خلاف تمام شکایات دُہرا دیں۔

امیر المومنین نے دریافت فرمایا، ”سعید بن عامر! تم نے شکایات سُن لیں؟ کہو تمھارے پاس کیا جواب ہے؟“

”یا امیر المومنینؓ! یہ سب کچھ میرے اور میرے رب

کے درمیان ایک راز تھا۔" سعید بن عامرؓ نے آزردہ ہو کر کہا۔" مگر اب آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا ہے تو بہ وجہ مجبوری یہ سب کچھ بیان کرنا پڑے گا۔"

"امیر المومنین! پہلی شکایت کے جواب میں عرض ہے کہ میں نے دن عوام کی خدمت کرنے کے لیے وقف کر رکھا ہے اور رات اپنے پروردگار کی خدمتِ عالی میں حاضری کے لیے۔ جب رات آتی ہے تو میں نمازِ عشا سے فارغ ہو کر گھر چلا جاتا ہوں اور خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو جاتا ہوں اس لیے رات کو اگر مجھے پکارا جائے تو میں جواب نہیں دے پاتا۔"

حضرت سعیدؓ کا جواب سُن کر حضرت عمرؓ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی اور چہرہ مسرت سے تمتما اٹھا۔!!

اب حضرت سعید بن عامرؓ نے دوسری شکایت کا جواب دیا۔" امیر المومنین! میرے گھر میں کوئی ملازم نہیں جو گھریلو کام کاج میں میری بیوی کی مدد کر سکے۔ گھر کے تمام کام میری بیوی کرتی ہے، اس لیے میں اس کا ہاتھ بٹاتا ہوں۔ میں فجر کی نماز سے فارغ ہو کر گھر چلا جاتا ہوں اور آٹا گوندھ کر خود ہی روٹیاں پکاتا ہوں پھر ہم ناشتہ کرتے ہیں اور اس کے بعد ہی میں لوگوں کی خدمت کرنے کے لیے گھر سے باہر نکلتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ مجھے گھر سے باہر آنے میں دیر ہو جایا کرتی ہے۔" اور تیسری شکایت کے بارے میں تم کیا کہتے ہو سعیدؓ؟" امیر المومنین نے حیرت اور مسرت کو چھپاتے ہوئے سوال کیا۔ حضرت سعیدؓ نے جواب دیا" امیر المومنین میرے پاس کپڑوں کا صرف ایک جوڑا ہے یہی جو اس وقت پہنے ہوئے ہوں۔" امیر المومنین! جب میرے کپڑے میلے ہو جاتے ہیں تو میں خود ہی دھولیتا ہوں، جب یہ کپڑے سوکھ جاتے ہیں تو ان کو پہن کر میں پھر سے باہر نکل آتا ہوں اور لوگوں کی مشکلات حل کرنے اور ان کی شکایات دور کرنے کے لیے پھر سے کوشاں ہو جاتا ہوں۔ اس کام کے لیے میں نے مہینے میں ایک دن مقرر کر رکھا ہے اور یہی میرے خلاف تیسری شکایت کا جواب ہے۔"

حضرت سعید بن عامرؓ کے جوابات سُن کر خلیفۂ اسلام حضرت عمر فاروقؓ کا چہرہ مسرت سے تمتما اٹھا۔ آپ نے ہاتھ اٹھا کر کہا،

"رب العالمین! تیرا شکر ہے کہ تو نے کارِ حکومت سرانجام دینے کے لیے مجھے ایسے فرض شناس لوگوں کی بے لوث خدمت کرنے والے سادہ اور نیک ساتھی عطا فرمائے۔" پھر انھوں نے حضرت سعید بن عامرؓ سے خطاب کر کے کہا" سعید یقین کرو کہ تمھارے بارے میں شکایات سُن کر میں نے تمھارے بارے میں کوئی بُری رائے قائم نہیں کی تھی، مجھے یقین تھا کہ تمھارے ان افعال کی کچھ معقول وجوہات ضرور ہوں گی۔" کیا آپ نے ایسا انصاف، ایسی فرض شناسی اور ایسی سادگی کہیں دیکھی ہے؟

صلاح الدّین ایوّبی

ناصر حسین، کراچی

سُلطان صلاح الدین ایوبی کے باپ کا نام نجم الدین ایوّب تھا۔ نجم الدین عراق کے بادشاہ نورالدین کا ایک اعلا افسر تھا۔ وہیں ۱۱۳۷ء میں صلاح الدین پیدا ہوا۔ اس کی

تعلیم دمشق میں ہوئی۔ جب وہ بڑا ہوا تو سلطان نورالدین کے دربار میں فوجی عہدے پر مقرر ہوگیا۔

تھوڑے ہی عرصے میں صلاح الدین نے اپنی بہادری اور محنت کی بدولت نام پیدا کر لیا۔ پہلے مصر کی حکومت کا وزیر بنا پھر بغداد میں نورالدین کی جانب سے گورنر ہوگیا۔ جب سلطان نورالدین کا انتقال ہوگیا تو صلاح الدین نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا اور مصر کو بھی اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان جنگ ہو رہی تھیں۔ ان لڑائیوں میں عیسائی صلیب کو ایک نشان کے طور پر استعمال کرتے تھے، اس لیے یہ صلیبی لڑائیاں کہلاتی ہیں۔ صلیبی جنگیں ایک مدت تک ہوتی رہیں اور آخر میں صلاح الدین کی شاندار فتح پر ان لڑائیوں کا خاتمہ ہوا۔ ملک اردن میں شہر بیت المقدس مسلمانوں کا قبلہ اول ہے۔ اسلام کی ابتدا میں کعبے کی طرف منھ کر کے نماز پڑھنے سے پہلے مسلمان بیت المقدس ہی کی طرف منھ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ پھر خدا نے حکم دیا کہ اب بیت المقدس کے بجائے کعبے کی طرف منھ کر کے نماز پڑھو۔ اس وقت سے مسلمان کعبے کی طرف منھ کر کے نماز پڑھنے لگے، اس طرح بیت المقدس قبلہ تو نہیں رہا مگر اس کا احترام اور اس کی تعظیم مسلمان برابر کرتے چلے آرہے ہیں۔ صلیبی جنگوں کا تعلق زیادہ تر اسی بیت المقدس سے ہے:

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں بیت المقدس فتح ہوا تھا اس وقت سے لے کر لگاتار پانچ برس تک کے مسلمانوں کا اس پر قبضہ رہا پھر باہمی پھوٹ اور خانہ جنگی کی بدولت مسلمان اتنے کم زور ہوگئے کہ عیسائیوں نے بیت المقدس چھین لیا اور وہ سارے علاقے میں مسلمانوں پر ظلم وستم کرنے لگے۔

صلاح الدین نے تہیا کر لیا تھا کہ وہ بیت المقدس کو عیسائیوں سے واپس لے گا۔ دوسری طرف عیسائیوں نے عہد کر رکھا تھا کہ وہ بیت المقدس کو ہاتھ سے نہ جانے دیں گے۔ انھوں نے یورپ کے عیسائی ملکوں سے مدد مانگی اور تھوڑے ہی عرصے میں نو لاکھ فوج صلاح الدین سے مقابلے کے لیے جمع کر لی۔ صلاح الدین کے پاس تھوڑی سی فوج تھی مگر وہ خدا پر بھروسا کر کے میدان جنگ میں کود پڑا اور بہادری کے ایسے کارنامے دکھائے کہ دشمن دنگ ہو کر رہ گئے۔ آخر بیت المقدس کو عیسائیوں سے واپس لے کر دم لیا۔ اس طرح ۱۱۹۲ء میں ۹۱ سال بعد بیت المقدس پھر مسلمانوں کے قبضے میں آگیا۔

بیت المقدس کی فتح کے بعد سلطان صلاح الدین دمشق چلا گیا۔ وہاں حاجیوں کے ایک قافلے کو خوش آمدید کہنے شہر سے باہر آیا۔ سردی کا موسم تھا۔ بارش ہو رہی تھی، سردی لگی بخار آگیا اور چند دن بیمار رہنے کے بعد ۵۵ سال کی عمر میں انتقال کر گیا۔

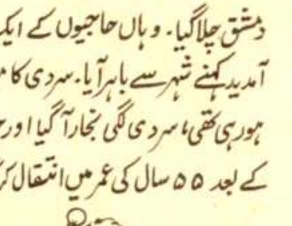

صحیح جوابات معلوماتِ عامّہ ۱۳۲

اپریل ۱۹۷۷ء کے ہمدرد نونہال میں معلوماتِ عامہ ۱۳۲ کے جو سوالات شائع ہوئے تھے ان کے صحیح جوابات یہ ہیں۔

۱۔ علامہ اقبال ۹ نومبر ۱۸۷۷ء کو پیدا ہوئے۔
۲۔ علامہ اقبال محلہ چوڑی گراں بازار سیال کوٹ میں پیدا ہوئے۔
۳۔ علامہ اقبال نے ابتدائی تعلیم مسجد حسام الدین سیال کوٹ میں پائی۔
۴۔ علامہ اقبال نے مڈل اور میٹرک کے امتحانات اسکاچ مشن ہائی اسکول سیال کوٹ سے پاس کیے۔
۵۔ علامہ اقبال نے گورنمنٹ کالج لاہور میں تعلیم پاکر بی اے کی ڈگری حاصل کی۔
۶۔ علامہ اقبال نے ۱۸۹۹ء میں انجمن حمایت اسلام لاہور کے جلسے میں اپنی نظم "نالۂ یتیم" پڑھی تھی۔
۷۔ علامہ اقبال نے سب سے پہلی کتاب "علم الاقتصاد" لکھی تھی جو ۱۹۰۳ء میں شائع ہوئی۔
۸۔ انگلستان میں علامہ اقبال نے ٹرینٹی کالج اور کیمبرج یونی ورسٹی میں تعلیم پائی۔
۹۔ نومبر ۱۹۰۷ء سے فروری ۱۹۰۸ء تک علامہ اقبال نے لندن یونی ورسٹی میں عربی کے لیکچرار کی حیثیت سے کام کیا۔
۱۰۔ فلسفے کے علاوہ علامہ اقبال نے قانون کی اعلا تعلیم پائی تھی۔

صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

دل امداد علی راہی — امروٹ شریف
سید راشد علی وارثی — جھڈو
عبدالحی الیس دل — گوٹھ ڈینگارٹو
مختار احمد ملک — میاں والی
کلثوم امتیاز احمد — کوٹری
مبارک حسین شاہین — ملتان
سید مظہر علی شاہ — شہدادپور

سکھر

آنسہ ہما شریر
آصف سعید زیدی

نواب شاہ

محمد اظہر خان غوری
محمد ہمایوں خان غوری

اسلام آباد

نزہت مفتی
رعنا یوسف
سید وسیم علی
امجد ضیاالدین
آنسہ ثمینہ یوسف

حیدرآباد

محمد عارف قائم خانی
شجاعت حمایت
مقبول عبّاس
ثروت نسیم
عبدالحفیظ خان
محمد الیاس میمن
شیخ طارق عبدالقیوم

کراچی

آنسہ رخشندہ کوکب
آصف منیر بھٹی
سید رضا عباس عابدی
آنسہ شگفتہ جبیں
آنسہ کنیز کلثوم عابدی
شاہد اقبال بھٹی
عبدالغفور اسمٰعیل
جاوید حسین ابوبکر
ایم اشرف خان
محمد انور عبدالستار

خالد رحیم
سجاد منیر
آنسہ رابعہ نورین شیخ
مومن تبسم مونا
شعیب اللہ شیخ
جیلانی یوسف
مرزا تصور عالم
آفتاب احمد
احمد مسعود
ظفر اقبال
زیب النساء
معین فخر معین ہمدانی
زیب النسا علیم
اقبال ناصر
آنسہ کنیز سیدہ عابدی
ساجد لطیف صدیقی
محمد جمال صدیقی
محمد یوسف عمر

صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تصویریں

محمد جاوید ابا علی، کراچی

شائستہ حیات ۔ لطیف آباد

نذیر احمد ۔ کوٹڑی

غلام یزدانی نیازی، کراچی

سید آفتاب احمد، کراچی

اعجاز حسین بلتستانی ۔ کراچی

محمد حنیف میمن، حیدرآباد

سید نوید حسین، کراچی

علی رضا شاد، کراچی

ساجد نعیم، کراچی

سید اظہار احمد زیدی، کراچی

الطاف احمد خان، کراچی

شاہد ضمیر ۔ پشاور

محمد کامران، کراچی

جمال ناصر، کراچی

محمد آصف غنی میمن، کراچی

محمد عارف غنی میمن، کراچی

نسیم اقبال، اسلام آباد

سید ضیاالدین، کراچی

سید انوار احمد، حیدرآباد

حاجی یعقوب حاجی یوسف، کراچی

عبدالرب، کورنگی، کراچی

مسعود علی خان آفریدی، کراچی

شاہد محمود، کراچی

سید اطہر حسین زیدی، پرانا سکھر

قمر عالم قریشی، شہداد پور

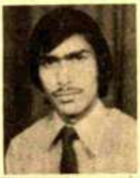
محمد جلیل، نیو کراچی

محسن قادری، اسلام آباد

شیخ محمد یونس، کراچی

عارف رحیم، کراچی

محمد اکرام صدیقی، اسلام آباد

سید مسعود قادری، اسلام آباد

عامر رضا نقوی، کراچی

محمد عارف مغل، لاہور

ساجد لطیف صدیقی، کراچی

شفاعت احمد، حیدرآباد

محمد الناصر ادیب، نیو کراچی

حبیب فخر حبیب اوسلو، کراچی

محمد حنیف لاکھانی، کراچی

ابرار احمد، کراچی

اختر علی بلتستانی، کراچی

سعید احمد، کراچی

ایم اشرف خان، کراچی

سید مظہر علی۔ شہداد پور سانگھڑ

آنسہ ثمینہ یوسف، اسلام آباد

ایک غلط جواب بھیجنے والوں کے نام

آنسہ شفیق الرحمان تحصیل منچن آباد
مظہرالدین لائل پور
محمد ارشد عباس رحیم یار خان
دانش عزیز شمسی لاڑکانہ
محمد رفیق بھٹی نواب شاہ
عبدالمالک شکارپور

مُلتان

حبیب احمد قریشی
آنسہ صائمہ حمید
آنسہ عالیہ حمید

جیکب آباد

نصیر احمد شیخ احمد شیدائی
کاظم علی ناشاد

کوٹری

محمد رشید
مرزا فرید عالم

میرپورخاص

خرم اقبال
محمد سلیم ملک
محمد نعیم ملک
ارشد وحید حیدرآباد

حیدرآباد

طارق حسین قریشی
شاہد مسعود صدیقی
کھتری رحمت اللہ شاہین
فضیل الزماں
راؤ احمد جاوید
جمیل احمد
کھتری حبیب اللہ بہادر
شفیق احمد انصاری

کراچی

عبدالمالک قریشی
عبدالحامد قریشی
عطیہ مشتاق
محمد تاشقین خان
محمد اویس خان شاداب
نوشین فاروقی
عظمیٰ رحمان
شیخ مجیب الرحمان انصاری
عدنان مسعود
عبدالحفیظ سمار
مہوش رعنا صدیقی

سید وقار حسنین نقوی
سید خورشید عالم نیّر
محمد نعیم رضا
عطیہ مصطفےٰ
سعیدہ احسن
جاوید ہاشم
بشیر مرزا
تنویر احسن عزیز
فریدہ لطیف میمن
انیلا حبیب میمن
فاطمہ حبیب
سید محمد ندیم رضوی
خورشید جمال
جاوید رحمت
ادریس آدم غازی
عبدالکریم لاسی
پروین حنیف
عبدالغفار آرائیں
نجمہ انصاری
اسرار احمد صدیقی
سید محمد ناصر حنیف

خواجہ مسرور احسن	کراچی	حسن بانو	کراچی	سید احمد جاوید ہاشمی	کراچی
ارشد مجید	"	محمد خالد حمید	"	محمد نعیم قاسم	"
رشیدہ شرف علی	"	شبیبہ فاطمہ	"	ایم منور طرزی	"
حبیبہ شرف علی	"	سید اولاد حسین رضوی سحر	"	عمران مشتاق	"
شوکت علی بلوچ	"	شعیب سلیم	"	احمد افضال	"
حسن عباس	"	طارق محمود	"	طلعت حیات علوی	"

ہمدردِ صحت

صحت کے طریقے اور جینے کے قرینے سکھانے والا رسالہ

★ صحت کے سہل اور سادہ اُصول
★ درازیِ عمر اور بڑھاپے کے سدِّ باب کے طریقے
★ نفسیاتی و ذہنی اصلاح اور تربیتِ کردار
★ گھریلو مسائل اور تجربے کی باتیں
★ غذا، پرہیز اور حفظِ ماتقدم
★ بیماریوں کی علامات، اسباب اور علاج
★ تازہ ترین طبی معلومات، تحقیقات اور تجربات

ہمدرد صحت میں اس قسم کے مفید موضوعات پر ہر ماہ دل چسپ، معلومات افزا اور خیال انگیز مضامین شائع ہوتے ہیں۔ قیمت: ایک رسالہ دو روپے ۔ سالانہ بیس روپے

دفتر ہمدرد صحت، ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن (پاکستان) کراچی ۱۸

حلقۂ دوستی

۱۶ سال سے زائد عمر کے نونہال فارم شائع ہونے کے لیے نہ بھیجیں۔

لڑکیاں اپنے فارم حلقۂ دوستی میں اشاعت کے لیے نہ بھیجیں۔

محمد اسلم

عمر: ۱۶ سال — تعلیم: میٹرک

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، تصاویر اور معلومات

پتا: ۳۔ڈی - ۲۶/۵۱ - ناظم آباد، کراچی

محمود احمد

عمر: ۱۰ سال — تعلیم: ششم

دل چسپیاں: قلمی دوستی، کرکٹ کھیلنا۔

پتا: ۵۹۸/۳ ڈرگ کالونی، کراچی نمبر ۲۵

نثار احمد

عمر: ۱۶ سال — تعلیم: میٹرک

دل چسپیاں: قلمی دوستی، مصوری، ٹکٹ اور معلوماتِ عامہ جمع کرنا۔

پتا: پنجابی سوداگران ٹاؤن کارپوریشن، گلستانِ رفیع مکان نے اسپیرٹی

محمد میاں ڈیپلائی

عمر: ۱۴ سال — تعلیم: ششم

دل چسپیاں: قلمی دوستی کرنا

پتا: مکان نمبر ایم / یو ۵، محبوب منشن ٹنڈو ولی محمد، حیدر آباد

ذیشان راہی

عمر: ۱۶ سال — تعلیم: میٹرک

دل چسپیاں: قلمی دوستی، ٹکٹ جمع کرنا

پتا: اے ۵ ۱/۸ لیاقت آباد، کراچی

راحیل انور

عمر: ۱۲ سال — تعلیم: ہشتم

دل چسپیاں: قلمی دوستی کرنا، ٹکٹ جمع کرنا، نونہال پڑھنا۔

پتا: ۱۰۰/۱۱، رحیم آباد، فیڈرل بی ایریا، کراچی ۳۸

ارشد اقبال میمن
عمر: ۱۶ سال — تعلیم: انٹر

دل چسپیاں: کرکٹ اور ٹینس کھیلنا، قلمی دوستی کرنا۔

پتا: احمد آدم جی، نشتر بازار۔ لاڑکانہ، سندھ

انعام اللہ خان
عمر: ۱۶ سال — تعلیم: نہم

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، قلمی دوستی کرنا، مطالعہ کرنا

پتا: معرفت محمد روشن پوسٹ مین منگورہ۔ سوات

عامر قریشی
عمر: ۱۱ سال — تعلیم: ششم

دل چسپیاں: کرکٹ کھیلنا، مطالعہ کرنا۔

پتا: سی/۹۴ بلاک ۴، گلشن اقبال، کراچی

سید نفاست رضا زیدی
عمر: ۱۱ سال — تعلیم: ہفتم

دل چسپیاں: کرکٹ کھیلنا، رننگ کمنٹری سننا

پتا: سید نزہت حسین مکان نمبر ۵۵ جبلی مارکیٹ جھنگ صدر

زاہد حسین عرف پرویز
عمر: ۱۶ سال — تعلیم: نہم

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، کرکٹ کھیلنا

پتا: کوارٹر نمبر ۶۱۴/اے، جیکب لائن، کراچی۔

سید عرفان اللہ
عمر: ۱۳ سال — تعلیم: ہفتم

دل چسپیاں: قلمی دوستی کرنا، ٹکٹ جمع کرنا

پتا: جی ۳/۴۴، ملیر، کھوکھراپار، کراچی نمبر ۳

محمد سعید شیخ
عمر: ۱۶ سال — تعلیم: فرسٹ ایئر

دل چسپیاں: قلمی دوستی کرنا،

پتا: معرفت حبیب بیڑی ورکس، لیاقت روڈ، کوٹڑی، سندھ

محمد وسیم
عمر: ۱۰ سال — تعلیم: پنجم

دل چسپیاں: قلمی دوستی کرنا، ہاکی کھیلنا، نونہال پڑھنا۔

پتا: مکان نمبر ۳/۳۶۵، سجان سنگھ لائن، روہڑی، سندھ

ملازم حسین
عمر: ۱۶ سال — تعلیم: دہم

دل چسپیاں: ٹکٹیں جمع کرنا، مطالعہ کرنا۔

پتا: ممتاز یونانی دواخانہ، مغربی بازار، جلالپور پیروالا، تحصیل شجاع آباد

سید اقبال حیدر زیدی
عمر: ۱۴ سال — تعلیم —

دل چسپیاں: کرکٹ اور فٹ بال کھیلنا

پتا: اے ۱۲، بلاک ۷، گلشن اقبال، کراچی

عبدالغنی
عمر: ۱۵ سال — تعلیم: دہم

دل چسپیاں: قلمی دوستی کرنا، اسکاؤٹنگ۔

پتا: چاکی واڑہ، میوہ شاہ روڈ، آفتاب منزل، کراچی

عبدالستار لغاری
عمر: ۱۵ سال — تعلیم: میٹرک

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، قلمی دوستی کرنا

پتا: معرفت حاجی نور محمد لغاری کریانہ اسٹور، کھوڑو روڈ، سانگھڑ

امتیاز خان صدیقی
عمر: ۱۲ سال — تعلیم: ہشتم
دل چسپیاں: فٹ بال کھیلنا، قلمی دوستی کرنا۔
پتا: ۱۵۰، سکندر پورہ، پشاور شہر

عابد خان
عمر: ۱۴ سال — تعلیم: نہم
دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، قلمی دوستی کرنا۔
پتا: ایچ ۲/۱۶ — کھوکرا پار، کراچی

جاوید اختر شیخ
عمر: ۱۶ سال — تعلیم: سیکنڈ ایئر
دل چسپیاں: قلمی دوستی کرنا، نونہال پڑھنا۔
پتا: بنگلہ نمبر ۹/ڈی، گارڈن روڈ، آفیسرز کالونی۔ کراچی

محمد سعید یوسف
عمر: ۱۵ سال — تعلیم: نہم
دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، قلمی دوستی کرنا۔
پتا: معرفت یوسف پان ہاؤس، ہیرآباد، چوک میرپور خاص

محمد عظیم خان
عمر: ۸ سال — تعلیم: سوئم
دل چسپیاں: ٹکٹ اور تصویریں جمع کرنا، ہاکی کھیلنا۔
پتا: ون ڈی، لانڈھی کالونی نمبر ۱، کراچی

نثار احمد یوسف زئی
عمر: ۱۶ سال — تعلیم: نہم
دل چسپیاں: قلمی دوستی کرنا، تصویریں بنانا
پتا: معرفت شیر محمد تمباکو مرچنٹ، اسٹیشن روڈ، میرپور خاص

محمد عبداللہ خان
عمر: ۱۶ سال — تعلیم: فرسٹ ایئر
دل چسپیاں: ٹکٹ اور ماچس جمع کرنا اور تبادلہ کرنا۔
پتا: کوارٹر نمبر ۲، بلاک نمبر ۲ سٹلائٹ ٹاؤن، میرپور خاص

سید سیف اللہ حسینی
عمر: ۱۴ سال — تعلیم: نہم
دل چسپیاں: کرکٹ کھیلنا، نونہال پڑھنا۔
پتا: ۴۔بی، اسٹیلائٹ ٹاؤن، میرپور خاص

سید رضوان علی عامر
عمر: ۱۰ سال — تعلیم: پنجم
دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، قلمی دوستی اور فٹ بال کھیلنا۔
پتا: ۲/۱۴۱، عزیزآباد، فیڈرل بی ایریا، کراچی نمبر ۳۸

فہیم الزماں علی
عمر: ۱۴ سال — تعلیم: فرسٹ ائیر
دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، قلمی دوستی کرنا۔
پتا: معرفت حنیف کریانہ، پرانا مچھلی بازار، روہڑی

ملک فاروق نواز
عمر: ۱۶ سال — تعلیم: دہم
دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، قلمی دوستی کرنا
پتا: قذافی کولڈ ڈرنک، بیراج روڈ، سکھر

مفتی نوید باقر
عمر: ۱۲ سال — تعلیم: ہفتم
دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، کرکٹ کھیلنا، نونہال پڑھنا
پتا: فلیٹ نمبر ۱۵، محمدی مینشن، جمیلہ اسٹریٹ، نزد جوبلی سینما، کراچی

اشتیاق احمد

عمر: ۱۴ سال — تعلیم: دہم

دل چسپیاں: قلمی دوستی، کرکٹ کھیلنا، نونہال پڑھنا۔

پتا: موضع وڈاک خانہ شادی، ضلع کیمبل پور

محمد علی حبیب

عمر: ۱۱ سال — تعلیم: ہفتم

دل چسپیاں: نونہال پڑھنا، قلمی دوستی کرنا

پتا: کوارٹر نمبر ۹ بلاک ۳۶ ، ڈی/۴ ایریا، لانڈھی ۶ کراچی

سید محبوب اختر ندیم

عمر: ۱۵ سال — تعلیم: دہم

دل چسپیاں: ہاکی کھیلنا، قلمی دوستی کرنا، ٹکٹ جمع کرنا

پتا: اے ۳۵۶/ بلاک ایل، نارتھ ناظم آباد، کراچی نمبر ۳۳

سید یاور عباس کاظمی

عمر: ۱۳ سال — تعلیم: ہفتم

دل چسپیاں: نونہال پڑھنا، تصویریں بنانا۔

پتا: کوارٹر ۱۱ بلاک ۵۹ ۵-ای - نیو کراچی

محمد رفیق قریشی

عمر: ۱۴ سال — تعلیم: ہشتم

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، قلمی دوستی کرنا، نونہال پڑھنا۔

پتا: کوارٹر نمبر ۱۱۴/ بی ایریا، کورنگی ۶، کراچی ۳۱

محمد یعقوب انصاری

عمر: ۱۶ سال — تعلیم: میٹرک

دل چسپیاں: قلمی دوستی کرنا، مطالعہ کرنا۔

پتا: معرفت بٹ الیکٹرک سروس، بخاری چوک قائم بازار تحصیل سمندری

محمد جمیل آرائیں

عمر: ۱۵ سال — تعلیم: دہم

دل چسپیاں: نونہال پڑھنا اور معلومات جمع کرنا۔

پتا: معرفت شاہ دین، انچارج مین، پاور ہاؤس امین جوٹ مل، کوٹری۔

چوہدری سعید احمد سعید

عمر: ۱۲ سال — تعلیم: ہشتم

دل چسپیاں: نونہال پڑھنا، تصویریں جمع کرنا۔

پتا: کیو، یو نمبر ۴۲/ ایچ - بی ہائنڈ جیکب لائن، کراچی

محمد محسن علی

عمر: ۱۶ سال — تعلیم: فرسٹ ایئر

دل چسپیاں: ٹکٹیں جمع کرنا، قلمی دوستی کرنا

پتا: ۳/ ۶۳۹ - ڈنگر محلہ، جیکب آباد، سندھ

ایم ظفراللہ زاہد جہر

عمر: ۱۵ سال — تعلیم: الیف اے

دل چسپیاں: نونہال پڑھنا، قلمی دوستی کرنا

پتا: معرفت سندھ ریڈیو سروس، ڈگڑی، تھرپارکر

نُورالسّلام صِدّیقی

عمر: ۱۱ سال — تعلیم: ششم

دل چسپیاں: قلمی دوستی، ہاکی کھیلنا، ٹکٹ جمع کرنا۔

پتا: بی ۲۵۶، بلاک اے۔ لقمان ایونیو، نارتھ ناظم آباد، کراچی

ایم۔ اے۔ ملک

عمر: ۱۶ سال — تعلیم: فرسٹ ایئر

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا اور تبادلہ کرنا، فرسٹ ڈے کور جمع کرنا۔

پتا: ۴۔ گھی خانہ، بہاول پور (پنجاب)

حکیم محمد سعید پبلشر نے زین پیکجنگ انڈسٹریز کراچی میں چھپوا کر ادارہ مطبوعاتِ ہمدرد ناظم آباد کراچی نمبر ۱۸ سے شائع کیا۔

گڑیا کی شادی

وہ دن سال کا جب تھی گرمی بلا کی — اسی دن تھی خوشی کی گڑیا کی شادی

بلا کی تپش، حبس، گرمی کے جھٹکے — یہ مجبور کر بس حال پتلے تھے سب کے

ہوا بند تھی، وقت تھا دوپہر کا — بہت سے تھے مہمان، کمرہ تھا چھوٹا
نہ کرسی، نہ چوکی، نہ صوفے نہ مونڈھے — جو بیٹھے بھی کوئی کدھر جا کے بیٹھے

غرض بھیڑ سی ہر طرف اک لگی تھی   کہ اتنے میں رخشی کی آواز آئی
اری سب کی سب کیوں جھکی آرہی ہو   ہوا چھوڑ کے تو خدارا کھڑی ہو

ارے میری گڑیا کو کیا ہو گیا ہے   بدن ہے کہ پیلا پڑا جا رہا ہے
یہ ہنستی نہ روتی، نہ یہ ڈولتی ہے   ہُوا کیا کہ منہ سے نہیں بولتی ہے

کسی نے کہا ڈاکٹر ...... کو بلاؤ   کوئی بولی دو گھونٹ پانی پلاؤ
کسی نے کہا کوئی خوشبو سنگھاؤ   کوئی رس پلاؤ، کوئی پھل کھلاؤ

ہٹو میں بھی دیکھوں کہ آخر ہُوا کیا؟   بڑھیں آگے کہتی ہوئی ناز آپا

بِلایا، ہِلایا، جھنجھوڑا، پکارا ، تپش سے کہیں ہوگیا ہو نہ سکتا

کڑے، پہونچیاں، نونگے، بازبندے کرن پھول، ٹیکہ، گلوبند، جھالے
رضائی، دُلائی، دُوپٹہ، دُوشالا غرض جو بدن پر تھا سب نوچ پھینکا

ہُوا مشورہ مت کوئی پھل کھلاؤ اسے شربتِ روح افزا" پلاؤ"

گلے سے اِدھر نیچے دو گھونٹ اُترے
ادھر کھول دیں آنکھیں گڑیا نے پٹ سے

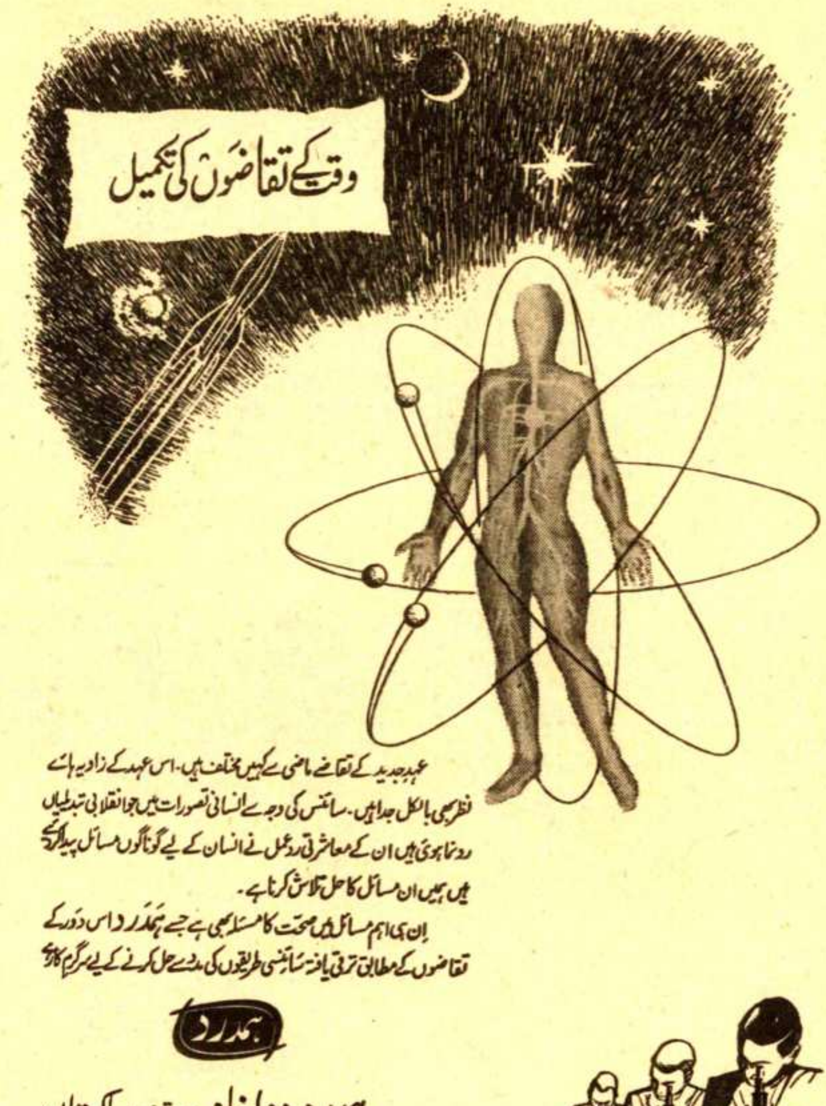

وقت کے تقاضوں کی تکمیل
عہدِ جدید کے تقاضے ماضی سے کہیں مختلف ہیں۔ اس عہد کے زاویہ ہائے
نظر بھی بالکل جدا ہیں۔ سائنس کی وجہ سے انسانی تصورات میں جو انقلابی تبدیلیاں
رونما ہوئی ہیں ان کے معاشرتی ردِ عمل نے انسان کے لیے گوناگوں مسائل پیدا کر دیے
ہیں ہمیں ان مسائل کا حل تلاش کرنا ہے۔
اِن ہی اہم مسائل میں صحت کا مسئلہ بھی ہے جسے ہمدرد اس دور کے
تقاضوں کے مطابق ترقی یافتہ سائنسی طریقوں کی مدد سے حل کرنے کے لیے سرگرم کار ہے
ہمدرد
ہمدرد دواخانہ (وقف) پاکستان

جب نزلہ،
زکام یا فلو کا اثر ہو جائے تو

زیادہ محنت اور تھکاوٹ سے بچئے۔ قبض رفع کیجئے
بھیڑ بھاڑ اور ہجوم سے گریز کیجئے۔ گرد و غبار اور دھوئیں سے دور رہئے اور
بلاتاخیر سعالین استعمال کیجئے۔

سعالین نزلہ، زکام اور کھانسی کی مفید دوا

ہمدرد

جون ۱۹۷۷ عیسوی
ہمدرد نونہال
رجسٹرڈ ایس نمبر ۱۹۰۳

پکچھ مشروبات محض ذائقہ ہیں اور کچھ محض رنگ
لیکن رُوح افزا بہار کی طرح خوشگوار
اور تازہ جیسے پھول

رُوح افزا دنیا کے ہر مشروب سے مختلف اور برتر، جسم کے نظام حرارت و برودت میں توازن و اعتدال پیدا کر کے گرمی کی شدت و تکلیف سے بچاتا ہے۔ ذائقہ، خوشبو، رنگ اور تاثیر میں کوئی مشروب اس کا ثانی نہیں۔ ۴۰ سال سے بے مثال اور مشرق و مغرب میں مقبول